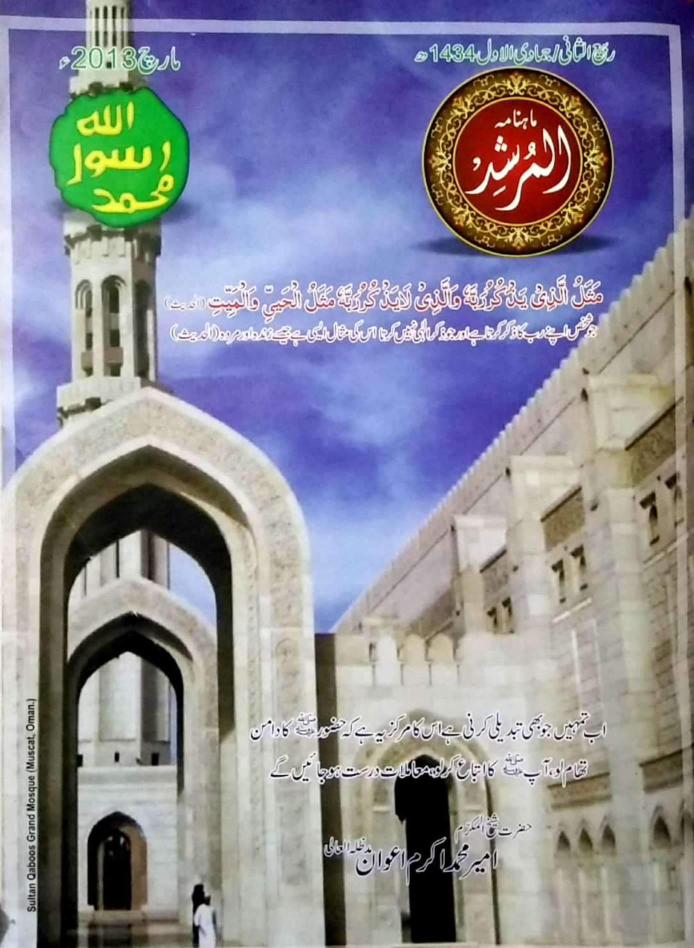

ربیع الثانی/جمادی الاول 1434ھ
مارچ 2013ء
اللہ رسول محمد
ماہنامہ
المرشد
مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَایَذْکُرُ رَبَّہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (الحدیث)
جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر الٰہی نہیں کرتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ (الحدیث)
اب تمہیں جو بھی تبدیلی کرنی ہے اس کا مرکز یہ ہے کہ حضور ﷺ کا دامن
تھام لو، آپ ﷺ کا اتباع کر لو، معاملات درست ہو جائیں گے
حضرت شیخ المکرم
امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی
Sultan Qaboos Grand Mosque (Muscat, Oman.)

تصوف

ذکر کا حاصل

دنیا میں جن لوگوں کے ساتھ ہمیں تعلق خاطر ہوتا ہے یا جن سے ہماری ضروتیں منسلک ہوں تم ہر حیلے سے ان کے ساتھ تعلقات بنائے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کو متوجہ کرنے پر اپنی پوی قوت صرف کر دیتے ہیں۔

اس حوالے سے غور کیا جائے تو انسان بہرحال محتاج ہے اور اس کے ساتھ بے پناہ مسائل ہیں۔اس کی بنیادی ضرورت ہے کہ وہ اس ہستی کی توجہ حاصل کرے جو ہر آن ہر جگہ اس کی دادرسی کر سکتی ہو۔ایسی امید اپنی جیسی محتاج مخلوق سے وابستہ کرنا تو ہرگز زیبا نہیں۔ایسی ہستی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو پروردگار عالم ہیں۔اس کریم رب نے یہ عقیدہ بھی حل فرما دیا۔ارشاد فرمایا۔فَاذْكُرُونِیٓ اَذْكُرْكُمْ۔البقرہ 152 تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

ہماری تو ضرورت تھی، احتیاج تھی کہ ہم اس ذات کو پکارتے جو بے نیاز مالک کل ہے۔اس نے اتنا کرم کر دیا کہ خود ہی طریقہ ارشاد فرما دیا کہ اے میرے بندے میرا ذکر کر۔تو کیوں اتنے آقا تلاش کرتا ہے؟ اتنی چوکھٹوں پر سر پٹکتا ہے۔آ میری بارگاہ میں آ جا۔مجھے پکار کر تو دیکھ، میرا نام تو لے۔پھر دیکھ میں تمام جہانوں کا رب تیرے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں اَذْكُرْكُمْ میں تجھے یاد کروں گا۔تو اپنا حال تو دیکھ ایک نطفے سے بنا کمزور ولاچار۔تیری حیثیت کیا ہے؟ لیکن میں تجھے یاد کروں گا۔تیری طرف توجہ کروں گا۔اپنی عطا سے یاد کروں گا تجھے اپنے لطف و کرم سے نوازوں گا۔اپنی شان کے مطابق عطا کروں گا۔ سبحان اللہ!

ذکر اللہ پر اس سے بڑے انعام کا تصور ممکن نہیں۔اور ذکر اللہ اس حوالے سے افضل ترین عمل بن جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ جو منعم حقیقی ہیں ان کا شکر ادا کرنے کا اعلیٰ ترین طریقہ یہی ہے کہ ہر دھڑکن میں ان کا نام بس جائے دل دھڑکنا تو بھول جائے اللہ کا نام لینا نہ بھولے۔

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ

المرشد

PS/CPL#15

مارچ 2013ء ربیع الثانی / جمادی الاول 1434ھ

جلد نمبر 34 شمارہ نمبر 07

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	2
اداریہ	ابوالاحمدین	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
طریقۂ ذکر		6
ماہانہ اجتماع	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	7
معرکہ نہاوند	حکیم محمود احمد ظفر	12
مسائل السلوک	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	19
خواتین کا صفحہ	ام قاران راولپنڈی	25
زیتون کے فوائد		32
سوال و جواب	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	37
اکرم التفاسیر	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	40
بچوں کا صفحہ	اے خان	47
محبت رسول کا معیار	میجر (ر) غلام قادری	50
QUESTIONS AND ANSWERS	AMEER MUHAMMAD AKRAM AWAN	53
A LIFE ETERNAL	Abul Ahmadain Translation : Naseem Malik	56

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور

PH: 042-35180381 , Email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال - ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org

Ph: 0543-562200 , FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم **اسرار التنزیل** سے اقتباس

عبادت کی حقیقت

عبادت کی حقیقت اطاعت ہے اور اطاعت کیلئے بنیادی جذبہ جلب منفعت ہے یا پھر دوسرے درجے میں دفع ضرر، اعمال انسانی کا محرک یہی جذبہ ہے دنیا میں کوئی شخص کوئی کام اس امید کے بغیر نہیں کرتا کہ اس کے کرنے سے فلاں طرح کا نفع حاصل کرونگا جہاں یا جس ہستی سے اس کی امید وابستہ ہوگی وہیں اس کا سر تسلیم خم ہوگا۔ اگرچہ اللہ کریم اپنی ذات میں ایسا ہے کہ ہر حال میں عبادت کا مستحق اور معبود حقیقی ہے مگر یہ بات عام عقول سے بالاتر ہے۔ لہٰذا دعوت عبادت کا سبب اس کی ربوبیت کو رکھا اور فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو کہ وہ تمہارا خالق ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا خالق ہے۔ جب تخلیق اس کی ہے تو اس کی بقاء کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔ یہاں خالقیت کو دلیل ربوبیت بنایا ہے کہ جب پیدا اس نے کیا ہے تم کو، تمہارے آباؤ اجداد کو یا تم سے پہلے کی ساری مخلوق کو، جن ہوں یا فرشتے جو کوئی بھی تم سے پہلے ہے سب اس کی مخلوق ہے۔ نیز مِنْ قَبْلِكُمْ سے یہ بھی واضح ہوا کہ یہ امت آخری امت ہے۔ پہلوں کا ذکر فرمایا مگر بعد والوں کے بارے میں اشارہ تک نہیں ملتا کہ اس کے بعد کوئی امت ہی نہیں۔

اس کی اکیلی ذات خالق ہے باقی سب مخلوق اور مخلوق خود اپنی بقاء میں محتاج ہوا کرتی ہے لہٰذا وہ تو ربوبیت کی یا دوسروں کو باقی رکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی تو لامحالہ وہی رب ہے اور رہی تمہاری بات تو تمہیں اس کی عظمت کا احساس اور اس کی ذات کی معرفت کا شمہ تب ہی نصیب ہوگا جب تم اس کی اطاعت اختیار کرو گے۔

یوم یکجہتی کشمیر

ہر سال 5 فروری کو پاکستان اور کشمیر کے مابین دریائی پلوں کے اطراف انسانی ہاتھوں کی زنجیر بنا کر اظہار یکجہتی کیا جاتا ہے۔ تقاریب منعقد ہوتی ہیں جن میں مسئلہ کشمیر پر روشنی ڈالی جاتی ہے، ریلیاں نکالی جاتی ہیں حتیٰ کہ بیرون ملک مقیم پاکستانی اور کشمیری مل کر دنیا بھر میں احتجاجی مظاہروں کا اہتمام کرتے ہیں لیکن 5 فروری گزرتے ہی یہ انسانی مسئلہ جس کی نذر اب تک ہزاروں جانیں ہو چکی ہیں، حسب سابق اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے۔

65 سال قبل جب مسئلہ کشمیر نے جنم لیا تو اس کی بنیاد وہی نظریہ تھا جس پر تقسیم ہند عمل میں آئی یعنی مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں کا جداگانہ تشخص لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اسلام دشمن قوتیں اس نظریہ کو مسلسل نقصان پہنچاتی رہیں جس کے نتیجہ میں مسئلہ کشمیر کی ہیئت بھی تبدیل ہوتی چلی گئی۔ آج صورت حال یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اس مسئلہ کے جو حل تجویز کئے جاتے ہیں اور کشمیری مسلمانوں کی اکثر تحاریک جو نہج اختیار کر چکی ہیں ان میں نظریۂ پاکستان سے واضح دوری نظر آتی ہے۔ ایک مسئلہ جس کی واحد بنیاد ہی دین تھا اب اقتصادی، دفاعی، جیوگرافیائی، لسانی اور نسبی بنیادوں پر دیکھا جا رہا ہے۔ اس دوران ہندوستان نے پاکستان کو یہ باور کرا دیا ہے کہ مسئلہ کشمیر سے قبل دونوں ممالک کے درمیان چھوٹے چھوٹے مسائل کو حل کرتے ہوئے تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ کیا جائے اور بدقسمتی سے پاکستان اس چال کا اس طرح شکار ہوا ہے کہ مسئلہ کشمیر ہندوستان کی عین خواہش کے مطابق پس منظر میں جا چکا ہے۔ یہ ایک سنگین صورتحال ہے جس کا قومی سطح پر جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے۔

اس سال یوم یکجہتی کشمیر کے حوالہ سے بعض تعلیمی اداروں نے ہماری نئی نسل کی آگہی کے لئے مختلف پروگرام منعقد کئے جو ایک انتہائی خوش آئند پہلو ہے۔ امن و آشتی کے نام پر تعلیمی نصاب سے مسئلہ کشمیر تو کئی سال قبل حذف کیا جا چکا ہے اور اب یہ ہماری قومی ضرورت ہے کہ نئی نسل کو اس مسئلہ کے بارے میں حقائق سے آگاہ کیا جائے۔ جن تعلیمی اداروں نے اس ضرورت کا احساس کیا وہ قابل تحسین ہیں اور چاہئے کہ باقی ادارے بھی ان کی تقلید کریں۔ ایک سکول کے طلباء کے ہاتھوں میں جو بینر نظر آئے ان سے بہتر شاید مسئلہ کشمیر کی حقیقت مختصر ترین الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہ ہو:

"پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ   کشمیر کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ"

ان بچوں نے اس تاریخی نعرے کی صورت بڑوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان اور کشمیر، دونوں کی بنیاد ایک ہے جس کو نظر انداز کرتے ہوئے مسئلہ کشمیر کا کوئی بھی حل ہزاروں شہداء کے خون سے غداری کے مترادف ہوگا۔

یوم یکجہتی کشمیر کے مظاہروں میں کئی ایک دینی اور سیاسی جماعتوں نے بھی حصہ لیا لیکن بعض حکومتی جماعتوں نے سرکاری بیانات پر اکتفا کرتے ہوئے سرد مہری کا مظاہرہ کیا جو افسوسناک ہے۔ اسی طرح یوم یکجہتی کشمیر کے حوالہ سے پی ٹی وی نیوز کی بھرپور کوریج کے سوا باقی ٹی وی چینلز کی اکثریت کی طرف سے اس قومی مسئلہ کی اہمیت کے برعکس انتہائی بے حسی کا اظہار ہوا۔ حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے امن کی بے وقت راگنی کبوتر کی طرح خطرے کو دیکھتے ہوئے آنکھیں بند کرنے کے مترادف ہے۔ پاکستان کو نقصان پہنچانے میں دشمن سے کبھی کوئی فروگذاشت نہیں ہوتی لیکن ہم یوم یکجہتی کشمیر منانے کے بعد سال بھر کے لئے اس سنگین قومی مسئلہ کو مؤخر کر دیتے ہیں۔ حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ صرف ایک دن پر اکتفا کرنے کی بجائے مستقل بنیادوں پر مسئلہ کشمیر کی سنگینی کا احساس کرے اور ملکی اور عالمی سطح پر اس کے حل کے لئے اپنی کوششوں کو بروئے کار لائے۔

ابو الاحمدین

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر	نشانِ منزل
کون سی ایسی بات ہوئی ہے	سوچ سمندر

متاعِ فقیر	آس جزیرہ	دیدۂ تر

اس بارے میں ڈاکٹر اجمل نیازی لکھتے ہیں:

"اپنی آسودگی کے لئے وہ ذکر کرتے ہیں فکر کرتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں یہ ان کے فرصت کے لمحوں کی فراست ہے۔ فراختوں کو فروغ دینے کیلئے یہ مشغلہ انہوں نے اختیار کیا ہے شاید وہ ریلیکس ہونا چاہتے ہیں تو شعر کہتے ہیں لوگ اس کام کے لئے تفریح کے کیا کیا سامان ڈھونڈتے ہیں مگر ملک صاحب کی تفریح بھی ترفع سے خالی نہیں ان کی شاعری ان کے اعلیٰ وارفع معمولات کا ایک ہلکا پھلکا روپ ہے ان کی شاعری کے علاوہ بھی کچھ ہے اس شاعری سے کچھ لینے کے لئے حضرت اکرم صاحب کے پاس کچھ دیر بیٹھنا بہت ضروری ہے پھر پڑھنے والوں کو ایک اور ہی لطف آئے گا۔"

غزل

یہ کس طرح کا ہجر ہے کیسا وصال ہے
مرنا محال ہے کبھی جینا محال ہے

دنیا کو چھوڑ بیٹھے ہیں ہم آپ کیلئے
کہیے حضور آپ کا اب کیا خیال ہے

یوں تو کسی کی یاد بھی تھی رات بھر رفیق
ایسی رفاقتوں کا سلیقہ کمال ہے

کہنے کو ایک بات ہے اچھی بہت مگر
ہو جائے گر تو پیار میں جینا محال ہے

رہنا وہ تیرا پاس بھی اور دور دور بھی
سوچیں اگر تو واقعی سچ مچ کمال ہے

اس دور نابکار نے چھینی ہیں الفتیں
اس دور کا تو فرد ہی شوریدہ حال ہے

اپنے ہی دل کی آنکھ ہو روشن تو دیکھئے
بکھرا چمن میں ہر جگہ ان کا جمال ہے

اے ہجر تجھ سا کوئی بھی ساتھی نہ مل سکا
دیکھا ہے تیری دوستی بے مثال ہے

آئے تھے دیکھنے ہمیں لیکن حجاب میں
بولے ہوں ایک لفظ بھلا کیا مجال ہے

سیماب الٹی بات کو سوچو نہ اسقدر
ملنا محبتوں کا یہاں پر محال ہے

"کونسی ایسی بات ہوئی ہے" سے اقتباس

اقوالِ شیخ

1......عبادت سے مراد اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط اطاعت ہے

2......مومن ٹھوس ہوتا ہے۔ ٹھوس ڈھلا نہیں کرتے خود ٹوٹ جاتے ہیں یا اس جگہ کو توڑ کر اپنی جگہ بنا لیتے ہیں

3......انسان تو انسان ہی ہوتا ہے عطائے الٰہی اسے سرفراز کر دیتی ہے

4......دو باتیں ہر معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے۔ اول معاشی نظام اور دوسری نظریاتی اساس

5......ہر گناہ سے آخرت میں ایک عذاب تیار ہوتا ہے اور یہی عذاب منعکس ہو کر گناہگار کی زندگی کو تلخ بنا دیتا ہے۔

6...... ثواب اخروی کے اثرات نیک آدمی کے دل کو دنیا میں بھی سکون فراہم کرتے ہیں۔

7......ہمیشہ صحیح طریقہ ہی سہل بھی ہوتا ہے

8......دعا بہر حال دعا ہے اسے حکم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرّم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

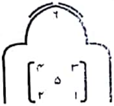

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ماہانہ اجتماع 4 نومبر 2012

برکات نبوت ﷺ کا حصول اور کردار کا جائزہ

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ o اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ o قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ. (سورۃ یونس: 57-58)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! جہاں تک عالم انسانیت ہے، بعثت عالی سے قیام قیامت تک اولاد آدم کو خطاب ہے اور سب کو یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بہترین نصیحت آئی ہے۔ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ اور یہ دلوں کے امراض کے لئے شفاء کامل ہے۔ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور ایمان والوں کے لئے بہترین راہنمائی بھی ہے۔ بہترین راہنمائی بھی ہے اور اللہ کی رحمت بھی قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ فرما دیجیے کہ اللہ کے اس کرم سے اور اللہ کی رحمت سے فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا تمہیں بہت خوش ہونا چاہیے۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ اور جو کچھ تم جمع کرتے ہو مال دنیا، دولت، زندگی کی آسائش، یہ اُن سب سے بہتر ہے۔

اس میں بنیادی طور پر دو باتیں ارشاد فرمائی گئیں کہ بعثت عالی ساری انسانیت اور سارے زمانوں کے لئے ہے النَّاسُ سے مراد ہے جب تک اولاد آدم زمین پر رہے گی، سارے لوگ النَّاسُ میں شامل ہیں۔ کسی نے بذریعہ ای میل مجھ سے ایک سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ عرب بہت زیادہ بگڑے ہوئے، جاہل اور اجڈ تھے تو حضور ﷺ صرف عربوں میں مبعوث ہوئے پھر دوسرے ممالک میں اتباع کی ضرورت نہیں ہے۔ یورپ، امریکہ میں آپ ﷺ نبی نہیں ہیں آپ صرف عربوں کے لئے نبی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ عربوں کے بارے یہ تصور کہ وہ بہت اجڈ تھے یہ غلط ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ بت پرستی میں بھی ملوث تھے، جرائم بھی کرتے تھے، جوا بھی کھیلتے تھے، شراب بھی پیتے تھے، قتل و غارت گری بھی کرتے تھے اور ڈاکے بھی ڈالتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود استعداد میں اور علوم میں باقی دنیا سے پھر بھی آگے تھے۔ اللہ کریم نے عربوں کو اُمّی کہا ہے۔ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا۔ میں نے اپنا رسول اِن لوگوں میں بھیجا جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اُمّی کا معنی جاہل نہیں ہے۔ اُمی کا لفظ تو نبی کریم ﷺ کے لئے بھی آیا ہے۔ اُمّی کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جس نے کسی انسان سے کچھ نہ سیکھا ہو، لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ جانتا ہی کچھ نہ ہو۔ کسی سے کچھ نہ سیکھا ہو لیکن اس کی فطری استعداد ایسی ہو کہ وہ بہت سے فنون جانتا ہو۔ اور انہی معنوں میں، نبی کریم ﷺ کیلئے بھی آیا ہے نبی الامی۔ نبی کریم ﷺ نے کسی انسان سے کچھ نہیں سیکھا لیکن آپ ﷺ کے علوم کی کوئی حد نہیں۔ وہ علوم فطری استعداد سے، اللہ کریم کی عطا سے، اللہ کی طرف سے عطا ہو گئے۔

تو اُمّی کا مطلب، جاہل لینا درست نہیں ہے۔ عربوں کے لئے جو ایمان نہیں رکھتے تھے اُمّی کا لفظ کیوں آیا؟ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُم عرب اگرچہ جرائم کرتے تھے، ڈاکو تھے چور تھے، لٹیرے تھے، جواء کھیلتے تھے، شراب پیتے تھے، قتل کر دیتے تھے، بچیاں زندہ گاڑ دیتے تھے لیکن امور دنیا میں اور اس کے علوم میں عرب اس وقت بھی باقی دنیا سے آگے تھے۔ آج بھی عربوں کے پاس ایسے فنون ہیں جو روئے زمین پر نہیں ملتے۔ فن حرب میں ماہر تھے۔ لڑائی کے فنون سے واقف تھے۔ ہر معاملے پر بیٹھ کر بات کرتے تھے اور باتوں کو سلجھانے کے ماہر تھے، لڑتے بھی تھے اور جنگوں کے فیصلے بھی کرتے تھے۔ پوری دنیا میں پھر کر تجارت کرتے تھے اور دولت کمانے کے ماہر تھے۔ اسی طرح شعبۂ طب میں عجیب وغریب کمالات کے حامل تھے۔ جس شعبے میں جاتے تھے کمال کرتے تھے۔ اس زمانے میں جادو کمال پر تھا، علم نجوم کمال پر تھا، بے شمار ایسی چیزیں آج بھی عربوں کے ہاں رائج ہیں۔ آج جب ہر جگہ مشینری استعمال ہوتی ہے عرب میں آج بھی کھوجی استعمال ہوتے ہیں۔ اور آج بھی ان کے پاس ایسا عجیب فن ہے کہ وہ بندے کا کھرا دیکھ کر بتا دیتا ہے کہ اس بندے کے پاس بندوق ہے، اس کے پاس نہیں ہے۔ اس بندے نے چوری کا سامان اٹھایا ہوا ہے اس نے نہیں اٹھایا ہوا۔ اس بندے کی ایک آنکھ کام کرتی ہے دوسری نہیں۔ حیرت ہے کہ وہ کھرے سے کیسے پتہ کر لیتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ بدن کا بوجھ جب زمین پر پڑتا ہے تو کھرا بنتا ہے اس سے وہ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ یہ بوجھ خالی انسان کا ہے یا بوجھل کا ہے۔ کھرے سے ہی وہ یہ اندازہ بھی کر لیتے ہیں کہ اس کی کون سی آنکھ درست ہے اور کون سی کمزور ہے۔ وغیرہ

آج اس جدید سائنٹیفک دور میں بھی عربوں کے ہر تھانے میں ایک سرکاری کھوجی موجود ہوتا ہے جو فوراً نشاندہی کر لیتا ہے، سراغ رسانی کر لیتا ہے، چور اور ڈاکو کی تلاش میں معاون ہوتا ہے، تو بہت سے علوم و فنون میں وہ ماہر تھے۔ اور عرب ایک تو دنیا کا مرکز تھا اور مکہ مکرمہ، بیت اللہ شریف تو زمین کا مرکز ہیں۔

بات یہ ہے کہ وہ لوگ صاحب استعداد تھے اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ان کی زندگیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ان لوگوں میں ایمان قبول کرنے کی استعداد تھی۔ انہوں نے صرف مانا نہیں، ربع صدی میں دنیا سے منوا کر چھوڑا۔ ہم بھی تو مسلمان ہیں، ہم نے بھی تو ایمان قبول کیا ہوا ہے۔

ہم تو روز شکایت کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے ٹی وی پر بے حیائی ہے، ہمارے معاشرے میں بے حیائی ہے۔ ہمارے معاشرے میں بگاڑ ہے لیکن ہم نے اس کی اصلاح کے لئے کیا کیا؟ عربوں میں تو یہ استعداد تھی کہ انہوں نے جب نبی کریم ﷺ کا دامن تھاما تو انہوں نے روئے زمین پر انقلاب بپیدا کر دیا۔ تو بعثت عالی صرف عربوں کے لئے نہیں تھی، ساری انسانیت کے لئے تھی، ہے اور قیامت تک ہمیشہ رہے گی۔ اسی لئے قرآن خطاب فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اے اولادِ آدم! قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ تمہارے ربّ کی طرف سے بہترین نصیحت آئی ہے۔ ربوبیت ہوتی ہے ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر جگہ، ہر وقت پوری کرنا۔ ہر ایک کے ہر حال سے ہر حال میں باخبر ہونا۔ اللہ رب العلمین ہے انسانیت کی یہ بھی ضرورت ہے کہ اس کی راہنمائی کی جائے۔ اسے بتایا جائے کہ اچھا کیا ہے، برا کیا ہے، صحیح کیا ہے، غلط کیا ہے،؟ اپنی اس شان ربوبیت سے اللہ نے جو ہدایت بھیجنی تھی وہ سب کے لئے بھیج دی، اب کسی کے لئے انتظار میں مت بیٹھو کہ کوئی آنے والا آئے گا تو حالات درست ہوں گے۔

میرے خیال میں اب پاکستان میں بھی اکثریت کا یہ خیال ہوتا ہے کہ کوئی آئے گا تو حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ فرمایا نہیں، آنے والا تشریف لا چکا۔ اب تمہیں جو بھی تبدیلی کرنی ہے اس کا مرکز یہ ہے کہ حضور ﷺ کا دامن تھام لو، آپ ﷺ کا اتباع کر لو، معاملات درست ہو جائیں گے۔ کوئی نیا آنے والا نہیں آئے گا۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ تمہارے

پاس آنے والا پہنچ چکا۔ کسی نئے آنے والے کا انتظار نہ کرو بلکہ جو تشریف لا چکے ہیں انہی کا، آپ ﷺ کا دامن تھام لو۔ یہی نصیحت بھی ہے اللہ کی طرف سے اور یہی دلوں کی بہترین شفاء بھی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جرم تب ہوتا ہے جب دلوں میں بگاڑ آتا ہے۔

اللہ کریم کی رحمت سے نبی کریم ﷺ کا نور نبوت، اللہ کی کتاب، قرآن حکیم، سنت رسول اللہ ﷺ یہ دلوں کے مرض کی دوا ہے۔ برکات نبوت میں سے بنیاد ہے آپ ﷺ پر ایمان لانا۔ اور اس کے بعد آپ ﷺ کا اتباع کرنا۔ اپنے عقیدے اور نظریئے میں اور اپنے کردار میں حضور ﷺ کا اتباع کرنا۔ اتباع رسالت کا نتیجہ یہ ہے کہ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ کہ جو بیماریاں دلوں میں ہیں ان کو شفا مل جائے۔ اب یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایمان وعمل کا تعلق دل کی بیماریوں کی شفاء سے ہے۔ جوں جوں دل سے بیماریاں نکلیں گی، شفاء ہوگی۔ اس کا مطلب ہے کردار بہترین ہوتا چلا جائے گا، اچھا ہوتا چلا جائے گا۔ انسان نیک ہوتا چلا جائے گا، اور اخذ برکات نبوت کا سب سے بڑا ذریعہ حضور ﷺ کی کیفیات قلبی کا حصول ہے۔ جس طرح صحابہ صحبت عالی سے کیفیات اخذ کر کے صحابیؓ بنے، تابعین ان کی صحبت سے تابعی بنے، تبع تابعی ان کی صحبت سے بنے، تو یہ ایک کیفیت ہے جو دلوں سے دلوں کو سفر کرتی گئی۔ امت میں اللہ نے یہ اعزاز اولیاء امت کو بخشا کہ وہ بارگاہ رسالت ﷺ سے برکات حاصل کرتے ہیں اور آگے تقسیم کرتے ہیں۔ یہ سب شفاء صدور کا سب سے مضبوط ذریعہ ہے۔ مراقبات اور منازل کے ذریعے برکات کا حصول کیا جاتا ہے۔ احباب کو یہ سوچ ستاتی رہتی ہے، مشورہ کرتے رہتے ہیں، جس شخص کو کشف ہو اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں کہ میرے مراقبات کتنے ہیں؟ اپنے مراقبات ہر کوئی اپنے کردار سے خود سمجھ سکتا ہے۔ جتنی دل کو شفاء نصیب ہوئی، دل سے جتنا حسد، کینہ، بغض، برائی نکل گئی ہے اتنے مراقبات مضبوط ہیں۔ اور اگر ہم ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اتباع کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، تو دل کی شفاء کے لئے کیا یہ ایمان اور یہ اتباع کافی ہے۔ قرآن کریم کا انداز خطاب جو ہے وہ یہ ہے کہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس بہترین نصیحت آ چکی۔ بہترین نصیحت قرآن کریم اور قرآن کی تفسیر ہے، حضور ﷺ کی سنت، حضور ﷺ کے ارشادات، قرآن کی سب سے پہلی تفسیر ہے۔ اور آپ ﷺ کا عمل، تعامل رسول اللہ ﷺ جو ہے وہ بھی قرآن کی تفسیر ہے۔ تو قرآن کی پہلی تفسیر حضور ﷺ کا ارشاد اور حضور ﷺ کا عمل ہے تو جو اس پر ایمان لے آیا اور خلوص دل سے اس عمل کو اختیار کر لیا، اس کے دل کو شفاء ہو جانی چاہیے۔ اگر دل کو شفاء نہیں ہوتی تو نسخہ تو اللہ کریم بتا رہے ہیں اس میں تو کوئی شک نہیں۔ اگر نہیں ہوتی تو کوئی کمی ہماری طرف سے ہے، ہمارے یقین میں کمی ہے، یا ہمارے کردار میں کمی ہے کہ ہم صحیح عمل نہیں کر رہے، صحیح اتباع نہیں کر رہے یا پھر خلوص میں کمی ہے کہ ہم دکھاوے کیلئے کر رہے ہیں یا بڑائی کیلئے کر رہے ہیں یا کسی اور لالچ کے لئے کر رہے ہیں۔ اگر خلوص کے ساتھ اتباع کیا جائے تو ایمان اور عمل دل کی شفاء کے لئے کافی ہیں۔ اور پھر کسی پر اللہ کا یہ انعام ہو کہ اسے برکات رسول اللہ ﷺ اور حضور ﷺ کے سینہ اطہر کے انوارات وتجلیات، برکات وکیفیات بھی نصیب ہوں اور پھر اس کی اصلاح نہ ہو تو پھر تو یہ بہت بڑی عجیب بات ہے لہٰذا ہمیں اپنے کردار کو دیکھنا ہے۔ ہم دوسروں کا کردار دیکھتے رہتے ہیں کہ فلاں نے ایسا کیا، فلاں ایسا کہتا ہے، فلاں کا وہ کام غلط ہے۔ بھئی میں نے آپ کا جواب نہیں دینا۔ آپ نے میری طرف سے جواب نہیں دینا۔ مجھے چاہیے کہ میں اپنے اندر جھانکوں اور آپ میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنی چوکیداری کرے، اپنے اندر جھانکے۔ زندگی محدود ہے، گنتی کے دن ہیں اور دوبارہ نہیں ملے گی۔ یہی موقع ہے۔ جس نے اپنے دل کو شفایاب کرنا ہے درست کرنا ہے، اس کے لئے یہی ایک موقع ہے، اور اسی میں ہدایت بھی ہے اور ایمان والوں کے لئے ساری کی ساری رحمت

بھی اسی میں ہے کہ خلوص دل سے حضور ﷺ کی تصدیق بھی کرے، ایمان بھی لائے اور پورے خلوص دل سے آپ ﷺ کا اتباع بھی کرے۔ فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا کتاب و سنت اور یہ نبی ﷺ کی ذات، یہ تو سراپا اللہ کی رحمت ہے اور اللہ کا فضل مہربانی اور اس کا کرم ہے۔ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا تمہیں تو خوش ہو جانا چاہیے کہ تمہیں ایسا عظیم الشان رسول ﷺ، ایسی عظیم الشان کتاب اور قرب الٰہی کے وسائل مل گئے اور کیا چاہیے۔ یہ دنیا کا نظام ہے جسے اللہ نے لہو ولعب فرمایا ہے۔ لہو کہتے ہیں ایسی بات کو جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے، بے حاصل ہو، فضول ہو، لعب کہتے ہیں کھیل کو۔ کھیل تماشہ۔ لہو ولعب سے مراد ہے جیسے بچے کھیلتے ہیں چار پتھر رکھ کر گھر بنا لیتے ہیں، بازار بنا لیتے ہیں، کچھ چیزیں رکھ لیتے ہیں، یہ سونا ہے، یہ چاندی ہے یہ فروٹ ہے، ہوتے وہ بھی مٹی پتھر ہی ہیں۔ کسی ایک کو چور بنا لیتے ہیں، ایک کو دوکاندار بنا لیتے ہیں، ایک کو تھانیدار بنا دیتے ہیں۔ جتنی دیر وہ کھیلتے رہتے ہیں، کھیلتے رہتے ہیں، جب فارغ ہوتے ہیں تو ہر چیز چھوڑ چھاڑ کر چلے جاتے ہیں۔ وہ کیا ہے، لہو ولعب ہے کہ اس نے ان کا وقت لے لیا، ان کی effort اور ان کی محنت لے لی لیکن حاصل تو کچھ نہ ہوا اور وہ مٹی پتھر تھے چھوڑ کر چلے گئے۔ تو جو بندہ نور ایمان حاصل نہیں کرتا یا اتباع رسالت نہیں کرتا تو وہ دنیا میں اگر حکومت بھی کرتا ہے اگر بادشاہت بھی کرتا ہے اگر مال و دولت کما لیتا ہے اگر بہت زیادہ دولت جمع کر لیتا ہے، زمین جمع کر لیتا ہے تو ان بچوں کی طرح کھیل ختم ہو گا تو چھوڑ کر چلا جائے گا۔ نہ حکومت ساتھ جائے گی نہ زمینیں، نہ دولت ساتھ جائے گی نہ رعب دبدبہ۔ تو پھر دنیا کی زندگی تو لہو ولعب، بچوں کا کھیل ہی ہوا۔ جو کچھ جمع کیا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلا جائے گا۔ کفن بھی نصیب ہو گا تو ملے گا۔ قبر بھی کسی کو نصیب ہوتی ہے اور کسی کو قبر بھی نصیب نہیں ہوتی، کفن بھی نصیب نہیں ہوتا۔ دنیا سے کیا لے کر جاتا ہے۔ تو فرمایا اس سارے گورکھ دھندے میں کہ جس کا نتیجہ کچھ بھی نہیں، تم خوش ہو جاؤ کہ اللہ کریم نے تمہیں معرفت حق کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ کو مبعوث کر دیا، کتاب نازل فرمادی اور حضور ﷺ کو اتنا کریم ﷺ بنایا کہ تم میں سے ہر ایک کے دکھ کے لئے آپ ﷺ پریشان ہوتے ہیں، ہر ایک کے لئے بہتری چاہتے ہیں، ہر ایک کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ ان نعمتوں سے تمہیں تو بہت خوش ہونا چاہیے هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ جو کچھ دنیا میں تم جمع کرتے ہو اس سب سے یہ بہت بہتر ہے۔

سو میرے بھائی! یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے کہ کسی کو برکات نبوت اور انوارات و تجلیات رسالت نصیب ہوں۔ کوئی ایسا رابطہ بن جائے کہ دل روشن ہو جائے، لطائف منور ہو جائیں، مراقبات نصیب ہو جائیں۔ یاد رکھیں! اس سب کا امتحان یہ ہے کہ کیا ان کی وجہ سے ہماری عملی زندگی سدھر رہی ہے۔ دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کیفیت ہے دوسری ہمارے دنیاوی امور ہیں۔ اگر ہم دنیا کو اس پر غالب کر دیں گے، تو پھر نقصان ہو گا نفع نہیں ہو گا اور اگر ان کیفیات کو دنیا کی زندگی پر غالب کر دیں گے، دو میں سے ایک چیز غالب رہے گی یا یہ کیفیات غالب ہوں گی اور دنیا کی زندگی ان کے تابع اور سنت کے تابع ہو جائے گی اور یہ کامیابی ہے۔ اور اگر یہ سب ہم رسماً کریں بھی، بعض اوقات بندے کو اس کی نمازیں اور نوافل بھی دلیر کر دیتے ہیں کہ میں تو بہت عابد و زاہد ہو گیا اب میں جو جی چاہے کرتا رہوں۔ میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کہتے تھے کہ جی ہمیں تو اب نماز کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ ہم تو ایسی منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمیں نماز کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ انسان عجیب عجیب غلط فہمیوں کا شکار ہوتا ہے۔ حالانکہ زندگی بھر کوئی ایسی منزل پر نہیں پہنچتا کہ اُسے سانس لینے کی ضرورت ہی نہ رہے، زندگی بھر کوئی ایسی منزل پر نہیں پہنچتا کہ اس کے دل کو دھڑکنے کی ضرورت نہ رہے، زندگی بھر کوئی ایسی منزل پر نہیں پہنچتا کہ اُسے کھانے پینے کی ضرورت نہ رہے۔ صرف اللہ کی عبادات کے معاملے میں یہ کلیہ لگتا ہے کہ ایسی منزل پر پہنچ گئے کہ اب عبادت کی ضرورت نہیں؟ تو نفس انسانی انسان کو عجیب غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور شیطان اس کو عجیب عجیب غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ دم واپسیں تک وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ آخری سانس

تک بندہ جو کرسکتا ہے اس عبادت کا مکلف ہے اور عبادت پورے انسانی کردار پر محیط ہے۔ بندہ یا اطاعت کرتا ہے یا نافرمانی کرتا ہے تو وہ دم واپسیں تک اطاعت کا مکلف ہے۔ اور پھر یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے کہ وہ ذکر کی نعمت عطا کردے، کیفیات قلبی عطا کردے۔

اور یہ آخری علاج ہے۔ اگر اس سے بھی شفا نہیں ہوئی تو پھر وہ بندہ لاعلاج ہے۔ سو میرے بھائی! میری گذارش یہ ہے کہ ہمارا یہ آنا جانا نہ رسمی ہے نہ یہ دنیاوی تعلقات بنانے کے لئے ہے نہ یہ ایک دوسرے کو استعمال کرنے کے لئے ہے، یہ محض اللہ کی رضا کے لئے ہے اور انوارات وبرکات جمع کرنے کے لئے ہے۔ اور ان سے غرض یہ ہے کہ دل کی اصلاح ہو اور دل کا زنگ اترے اور یاد رہے جب دل کا زنگ اترے تو کردار بہتر ہو جاتا ہے۔ نیت درست ہو جاتی ہے، سوچ صحیح ہو جاتی ہے، عمل درست ہو جاتا ہے پھر بھی بھول چوک ہو جاتی ہے، انسانی فطرت ہے لیکن وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا اگر غلطی ہو جائے تو وہ اسے پیشہ نہیں بنا لیتے، توبہ کرتے ہیں رجوع الی اللہ کرتے ہیں۔ اللہ کریم معاف کرنے والے ہیں۔ ہر ساتھی کو چاہیے کہ اپنی جانچ خود کیا کرے کہ وہ کتنی پابندی سے ذکر کرتا ہے، کتنی محنت کرتا ہے، اس کی کیا کیفیات دل پر آتی ہیں اور دل کی کتنی اصلاح ہوئی ہے، اس کا عملی کردار کتنا سدھر گیا ہے۔ اللہ کریم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور سب کی کوشش قبول فرمائے۔ ہماری کوتاہیوں، غلطیوں سے درگذر فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن.

دعائے مغفرت

1۔ گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی بابر احسان کے والد محترم
2۔ گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی طارق کی والدہ محترمہ
3۔ لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صوبیدار نذیر احمد صاحب
4۔ لاہور سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی حافظ غلام حیدر اور حکیم خوشی محمد کے والد محترم
5۔ لاہور سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی شرافت علی کے والد محترم
6۔ واہ کینٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی امیر کرمانی کی والدہ محترمہ
7۔ سیالکوٹ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی عطاء اللہ
8۔ فیصل آباد سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی عبدالحمید گجر کی اہلیہ
9۔ ہری پور سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی حبیب الرحمٰن کی والدہ محترمہ
10۔ کراچی سے سلسلۂ عالیہ کی ساتھی ذوالفقار احمد کی ہمشیرہ

وفات پا گئے ہیں، ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ماہنامہ المرشد میں اشتہار دینے کے خواہشمند متوجہ ہوں

جو حضرات اپنے یا اپنی کمپنی کے لیے ماہنامہ المرشد میں اشتہار شائع کروانا چاہتے ہیں وہ سرکولیشن مینجر ماہنامہ المرشد لاہور سے رابطہ کریں۔

دفتر: ماہنامہ المرشد۔ 17 اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔ فون: 042-35180381

قارئین المرشد سے

التماس ہے کہ المرشد کے بارے میں اپنی آراء سے مستفیض فرمائیں اور اس کو زیادہ مفید اور معتبر بنانے کے لئے اپنی تجاویز سے نوازیں۔

نیز یہ بھی گزارش ہے کہ اہل حضرات اپنے مضامین بھجوائیں جو ساتھیوں کی رہنمائی اور نئے قارئین کے لیے نفس کی اصلاح کا سبب بن سکیں۔ یا ایسے واقعات وتجربات تحریر فرمائیں جو سبق آموز ہوں۔

(مدیر ماہنامہ المرشد)

معرکہ نہاوند

ربیع الثانی ۲۱ ہجری

نہاوند کی جنگ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ماہ ربیع الثانی ۲۱ ہجری میں لڑی گئی، اس جنگ میں ایرانیوں نے اپنی پوری قوت جھونک دی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس فتح سے پورے ایران اور وسط ایشیاء میں اسلامی فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ اس لئے اسے فتح الفتوح کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کے واقعات حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب سیرت حضرت عمر فاروقؓ سے لئے گئے ہیں۔ جو ماہ ربیع الثانی کی مناسبت سے اس شمارے میں دیئے جا رہے ہیں۔

سیدنا احنف بن قیسؓ نے امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کو ایرانیوں کی عہد شکنی اور بغاوت کے بارے میں جو وجہ بتائی تھی، سیدنا عمرؓ نے اس کی تصدیق کی اور سیدنا عمرؓ کے دل میں ایرانیوں کے بارے میں شک وارتیاب کے تمام کانٹے نکل گئے۔ چنانچہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ اب عراق عجم کی طرف بھی اسلامی فوجوں کو بڑھایا جائے۔

سرزمین عراق دو حصوں میں منقسم ہے مغربی حصہ کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصہ کو عراق عجم۔ عراق عجم کا حدود اربعہ یہ ہے مشرق میں خوزستان۔ مغرب میں مراغہ واقع ہے اور شمال میں طبرستان اور جنوب میں شیراز ہے اس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رے سمجھے جاتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں رے بالکل ویران ہو گیا ہے اور اس کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے جو شاہان قاچار کا پایہ تخت ہے۔

یزدگرد جب سے مدائن سے بھاگا تھا اس کو اپنے ہی ملک میں کہیں پناہ نہ مل رہی تھی جس شہر میں بھی وہ جاتا مسلمان فوجیں اس کا پیچھا کرتیں اور اسے وہاں سے بھاگنا پڑتا۔ ایرانی سرداروں نے اب یہ سمجھا کہ یزدگرد کا کسی شہر میں پناہ لینا اس شہر کے لوگوں کو خطرے میں ڈالنا ہے چنانچہ یزدگرد جب رے گیا تو یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے اس سے بے وفائی کی، وہ رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے مرو میں قیام کیا۔ آتش پارسی ساتھ تھی۔ اس کیلئے آتش کدہ تیار کروایا اور مطمئن ہو کر حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں اسے پتہ چلا کہ عربوں نے خوزستان کے پورے صوبے کو فتح کر لیا ہے اور ہرمزان جو سلطنتِ ایران کا دایاں بازو سمجھا جاتا تھا، زندہ گرفتار ہو گیا ہے۔ یہ سن کر یزدگرد پریشان بھی ہوا اور اسے طیش بھی آیا۔ ایرانی ابھی تک یہی سمجھ رہے تھے کہ عربوں کی آندھی سرحدی مقامات تک ہی رہے گی لیکن خوزستان کی فتح نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ ہرمزان کی گرفتاری اور خوزستان کی فتح ان کیلئے ایک بہت بڑا حادثہ تھا چنانچہ اب ایرانی امراء نے ایک دوسرے کو خط لکھے کہ اگر ہماری باہمی بے اعتمادی اور پراگندگی کا سلسلہ ختم نہ ہوا تو ہمارا بھی وہی حشر ہو گا جو ہرمزان کا ہوا ہے لہٰذا ہمیں متفق ہو کر ایک متحدہ محاذ عربوں کے خلاف بنانا چاہئے اور اس تحریک کی قیادت یزدگرد کے سپرد کرنی چاہئے۔ کیونکہ وہ پورے ملک کی ایک مرکزی شخصیت ہے اور عوام اس کے جھنڈے تلے جمع بھی ہو جائیں گے اور ایران کا کوئی چھوٹا بڑا اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی

کیا گیا۔ اور کسریٰ نے پورے ملک کے امراء کو اس متحدہ محاذ کا مرکزی کردار ہونے کی حیثیت سے جو فرمان بھیجا تھا، ملک کے ہر چھوٹے بڑے نے اس پر لبیک کہا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آہنی دیوار بن جانے کا یقین دلایا۔ تمام امراء نے اپنے اپنے لشکر نہاوند کی طرف روانہ کر دیئے یہاں تک کہ ڈیڑھ لاکھ کا جم غفیر فیروزان کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا فوج کے ہر سپاہی اور جرنیل نے یہ قسم کھائی کہ جب تک کسریٰ اور اس کی فوجوں کو فتح نصیب نہ ہوگی۔ وہ اپنے وطن نہیں جائے گا۔

سیدنا عمرؓ کو عراق کی یہ حالت اور ان کے باشندوں کے یہ ہیجان خیز جذبات سن کر بہت فکر ہوئی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ گورنر کوفہ، یزدگرد، فیروزان اور نہاوند میں جمع ہونے والے ایرانی لشکر کی خبریں امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیج رہے تھے۔ یہ لشکر اتنا بڑا تھا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ "مالم یجتمع لھم قبل ذالک" یعنی اتنی فوجیں اس سے قبل کبھی جمع نہیں ہوئی تھیں (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵) دوسری طرف اہل کوفہ کا ایک وفد جراح بن سنان اسدی کی قیادت میں خلیفہ اسلام سیدنا فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچا اور ایک یادداشت پیش کی جس میں قائد افواج سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے خلاف شکایتوں کا ایک دفتر تھا ان میں ایک شکایت یہ بھی تھی کہ وہ نماز ٹھیک طریقے سے نہیں پڑھتے۔ ہمارے اس جمہوری دور میں بھی ایسے نازک وقت میں اس طرح کے احتجاج کو برداشت نہیں کیا جاتا اور فوجی قوانین کے لحاظ سے تو شاید ایسا احتجاج کرنے والے گردن زدنی قرار دیئے جائیں۔ لیکن یہ خلافت راشدہ کا دور تھا جس میں ہر ایک کو کسی بھی وقت گورنر اور افسر کے خلاف شکایت کرنے کا پورا پورا اختیار تھا۔ سیدنا عمرؓ اس اچانک شکایت پر چونکے اور فرمایا: "اس وقت جب کہ سعدؓ جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں اور دشمن کی فوجیں تمہارے خلاف جمع ہو رہی ہیں، اتنا لمبا سفر کر کے تمہارا یہاں آنا تمہاری شرارت کی کھلی دلیل ہے" پھر فرمایا: "تمہاری شکایت پہنچ جانے کے بعد جو مجھے کرنا چاہئے تمہاری شرارت مجھے اس سے نہیں روک سکتی" چنانچہ آپ نے سیدنا سعدؓ کو مدینہ طلب فرمایا اور کہا کہ اس وفد نے سب کاموں میں تمہاری شکایت کی ہے یہاں تک کہ یہ شکایت بھی کی ہے کہ تم نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ سیدنا عمرؓ نے فوری طور پر ایک تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیجا۔ ارکانِ وفد نے لوگوں کے بیانات لئے۔ کسی شخص نے ان شکایات کو صحیح قرار نہ دیا۔ صرف قبیلہ بنی عیس کی ایک مسجد میں اسامہ بن قتادہ نے یہ کہا کہ جب آپ قسم ہی دیتے ہیں تو سن لیں:

فان سعداً کان لایسیر بالسریة ولا یقسم بالسویة ولا یعدل فی القضیة (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۴)

سعد مجاہدین کے دستہ کے ساتھ خود نہیں جاتے (کسی اور کو کمانڈر بنا کر بھیج دیتے ہیں) اور (مال غنیمت) مساوی طور پر تقسیم نہیں کرتے اور کوئی مقدمہ آتا ہے تو انصاف وعدل سے کام نہیں لیتے۔

اسامہ بن قتادہ کے بیان سے جو کہ صریحاً غلط تھا سیدنا سعدؓ کو سخت دکھ ہوا آپ نے کہا: "اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے اور اس نے صرف نمائش اور شہرت کیلئے یہ بیان دیا ہے تو اس کی عمر دراز کر، اس کے فقر کو طویل کر اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا"۔

آپ کی یہ بددعا اثر کئے بغیر نہ رہی اور لوگوں نے دیکھا کہ اس کی عمر بہت ہوئی۔ بڈھا کھوسٹ ہو گیا بھنوئیں آنکھوں پر لٹک آئی تھیں اور راستہ میں لڑکیوں کو چھیڑا کرتا اگر اس حماقت پر تنبیہ کی جاتی تو کہتا "شیخ مفتون اصابتنی دعوۃ سعد" (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۴) یعنی بوڑھا ہوں اور فتنہ میں مبتلا

ہوں، مجھے سعدؓ کی بددعا لگ گئی ہے۔

اگرچہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں وہ شکایات غلط تھیں تاہم آپ نے سیدنا سعدؓ کو ان کے عہدہ پر واپس کوفہ نہ بھیجا اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عتبانؓ کو گورنر بنا کر مدینہ سے بھیج دیا۔ سیدنا عبد اللہ بن عتبانؓ نے بھی کوفہ سے بارگاہ خلافت میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارے میں خبریں بھیجیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ایک روز مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے وہ سارے خطوط سنا دیئے جن میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارے میں اطلاعات دی گئی تھیں اور فرمایا کہ میں خود اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر محاذ جنگ پر جاؤں اور شام، یمن اور بصرہ کے امراء کو بھی لکھوں کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں۔ اور ساری فوجوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر کے لڑاؤں۔ حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے امیر المؤمنین کی اس تجویز کو پسند کیا۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے اٹھ کر کہا: "اگر آپ نے اہل شام کو شام سے ہٹایا تو رومی ان کے بال بچوں کو آلیں گے۔ اور اگر اہل یمن کو یمن سے بلوایا تو حبشہ ان کے ملک میں گھس آئے گا۔ اور اگر آپ نے مدینہ چھوڑا تو سارے عرب میں ہل چل مچ جائے گی اور ہمیں خود اپنے ملک کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا آپ کی حیثیت عرب میں وہی ہے جو دانوں میں رشتے کی ہے کہ وہی دانوں کو اکٹھا رکھتا ہے اور وہی انہیں بکھرنے سے بچاتا ہے۔ ایرانی جب آپ کو وہاں دیکھیں گے تو آپ کو عرب کا امیر اور مرکزی قوت سمجھتے ہوئے باؤلے کتوں کی طرح آپ پر جھپٹ پڑیں گے۔ اور جہاں تک ایرانیوں کی کثرت تعداد کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ گوش گذار کرنا چاہتا ہوں کہ آج تک ہم کثرت تعداد کے بل پر نہیں لڑے بلکہ فتح و نصرت کے بل پر لڑے ہیں۔ اس لئے آپ ہرگز مدینہ نہ چھوڑیں اور اہل کوفہ کو حکم دیجئے کہ ان کی دو تہائی فوج محاذ جنگ پر چلی جائے اور ایک تہائی اپنی جگہ رہے اور اہل بصرہ کو لکھیئے کہ وہ ان کی مدد کریں"۔

سیدنا علیؓ کی یہ رائے سیدنا عمرؓ کو بہت پسند آئی اور انہوں نے اعلان فرمایا کہ "وہ مدینہ میں رہ کر برابر لشکر روانہ کرتے رہیں گے" پھر آپ نے سیدنا نعمان بن مقرنؓ کو ان فوجوں کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو سب سے پہلے نیزوں کیلئے سپر بنے گا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے ان کے اس انتخاب کو پسند کیا۔

سیدنا نعمان بن مقرنؓ کے انتخاب کے ساتھ ہی سیدنا عمرؓ نے انہیں خط لکھا کہ جو فوج تمہارے پاس ہے اس کو لے کر نہاوند چلے جاؤ کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے کہ وہاں ایرانیوں کی ایک بہت بڑی فوج جمع ہوئی ہے۔ فوج کو پتھریلے اور دشوار گزار راستوں اور نشیبی جنگلوں سے لے کر نہ جانا کہ مجھے ایک مسلمان کی جان ایک لاکھ دینار سے زیادہ عزیز ہے۔ میں نے کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کو بھی لکھ دیا ہے کہ وہ تمہاری مدد کیلئے جلد از جلد فوج بھیجیں۔ ساری فوج کے سپہ سالار تم ہو گے۔ اور کوفہ سے جو فوج آئے گی اس کی قیادت حذیفہ بن یمانؓ کریں گے۔ اگر تمہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو پھر کل فوج کے سردار حذیفہؓ ہوں گے۔ اور اگر حذیفہؓ کو کوئی گزند پہنچے تو امیر لشکر نعیم بن مقرنؓ ہوں گے۔ بصرہ کے گورنر سیدنا ابوموسیٰؓ کو لکھا کہ بصرہ والوں کو لے کر ماہ پہنچو۔ اور سلمیٰ بن قین اور حرملہ بن ریطہ کو جو فارس اور اہواز کے درمیان مقیم افواج کے سپہ سالار تھے لکھا کہ ایرانیوں کی توجہ اپنے بھائیوں سے ہٹائے رکھو۔ یہ ساری پیش بندیاں سیدنا عمرؓ نے اس خطرہ کے مقابلے کیلئے کی تھیں جن کی خبریں متواتر سیدنا عمرؓ کو پہنچ رہی تھیں۔ غرض کہ سیدنا نعمان بن مقرنؓ تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ کرامؓ شامل تھے جن میں

سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا جریر بن عبداللہ بجلیؓ، اور سیدنا عمروؓ بن معدی کرب وغیرہ تھے۔

سیدنا نعمانؓ نے جاسوسوں کا جال بچھا دیا تاکہ دشمن کی کارروائیوں کا پتہ چلتا رہے اس خدمت کی سپرد داری انہوں نے طلیحہ بن خویلد اسدی، عمرو بن معدی کرب اور عمرو بن ابی سلمٰی مزنی کو دی۔ انہوں نے اطلاع دی کہ نہاوند تک کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ سیدنا ابی سلمٰی مزنی کو دی۔ انہوں نے اطلاع دی کہ نہاوند تک کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ سیدنا نعمانؓ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا یہاں تک کہ نہاوند سے (۹) نو میل ادھر اسپد ہان میں پڑاؤ ڈالا۔ فیروزان کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا تیس ہزار کا لشکر ایرانیوں سے لڑنے کیلئے آیا ہے تو اس نے مسلمانوں کی اس تعداد کو نا قابل توجہ سمجھا، لیکن قادسیہ کے میدان میں وہ مسلمانوں کی جرأت اور بہادری کو دیکھ چکا تھا لہٰذا اندر سے ڈرتا بھی تھا۔ چنانچہ اس نے سیدنا نعمانؓ کو سفارت کیلئے پیغام بھیجا۔ انہوں نے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ایرانیوں نے بڑی شان وشوکت سے دربار سجایا۔ سیدنا مغیرہؓ نہاوند کے اردگرد کا میدان طے کر کے اور فصیلوں کو عبور کر کے فیروزان کے پاس پہنچے جو ایک طلائی تخت پر تاج پہنے بیٹھا تھا۔ چاروں طرف پہرے دار تھے۔ تخت کے دائیں بائیں مختلف شہروں کے شہزادے دیبا کی زرکار قبائیں، سر پر تاج زریں اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی قطاریں تھیں جن کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی برہنہ تلواریں تھیں جو آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ مترجم کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ گفتگو قریباً وہی تھی جو مدائن میں اسلامی وفد اور یزدگرد میں ہوئی تھی۔ چنانچہ سفارت ناکام ہوئی اور سیدنا مغیرہؓ واپس اپنے لشکر میں آ گئے۔ اب دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سیدنا نعمان نے میمنہ اور میسرہ پر سیدنا حذیفہؓ اور سوید بن مقرنؓ کو اور ساقہ پر مجاشع کو مقرر فرمایا اور مجردہ پر قعقاع بن عمروؓ کو متعین فرمایا۔ ایرانیوں نے میدان کارزار سے پہلے گوکھرو بچھا دیئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا اور ایرانی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو جاتے تھے یہ بات مسلمانوں کیلئے نہایت تکلیف دہ تھی۔ چند اہل الرائے حضرات نے سیدنا نعمانؓ نے مل کر اپنے اندیشے کا اظہار کیا کہ ان حالات میں جنگ کے طویل ہونے کا خطرہ ہے جو کہ ہمارے لئے نقصان دہ بات ہے۔ سیدنا نعمانؓ نے سب حضرات سے اس بارے میں پوچھا کہ کیا کیا جائے۔ طلیحہ بن خویلد اسدی نے ایک رائے دی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ اس رائے کے مطابق سیدنا نعمانؓ نے قعقاع کو حکم دیا کہ کل صبح اپنی فوج لے کر شہر پر حملہ کریں اور جب ایرانی نمودار ہوں تو اس طرح پیچھے ہٹیں گویا بھاگ رہے ہیں۔ قعقاع اپنی فوج لے کر آگے بڑھے اور شہر پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ ایرانی بڑے جوش سے باہر نکلے اور فصیلوں اور گھوکھروں کو پار کر کے وہ مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ قعقاع تھوڑی دیر تک تو جم کر لڑتے رہے اس کے بعد اپنی فوج کو لے کر پیچھے ہٹنے لگے۔ ایرانیوں نے دیکھا کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں تو وہ ان کا تعاقب کرنے لگے۔ جوں جوں ایرانی تعاقب کرتے جاتے مسلمان پیچھے ہٹتے جاتے۔ سیدنا نعمانؓ اپنی فوج لے کر شہر سے چھ میل دور بیٹھے تھے۔ اور انتظار کر رہے تھے کہ ایرانی لشکر ان کی زد میں آ جائے۔ اب ایرانی اپنے شہر سے کافی دور آ چکے تھے۔ اور ان کا پورا لشکر شہر کی فصیل سے باہر آ چکا تھا۔ قعقاع پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی فوج میں آ کر مل گئے۔

اب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ اور ایرانی

مسلمانوں کی فوج کی زد میں تھے، لیکن دیکھا یہ گیا کہ ایرانی تو تیروں سے مسلمانوں پر حملہ کر رہے ہیں لیکن مسلمان حملہ نہیں کر رہے۔ نعمانؓ نے انہیں حملہ سے روکا ہوا تھا۔ ایرانیوں کے تیروں سے سینکڑوں مسلمان کام آ گئے لیکن افسر کی اطاعت تھی کہ زخم کھا رہے ہیں اور ہاتھ روکے کھڑے ہیں۔ سیدنا مغیرہؓ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوتی جا رہی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے سیدنا نعمانؓ نے نہایت صبر و سکون سے جواب دیا: ''ذرا صبر کریں، ابھی حکم ملتا ہے'' سیدنا نعمانؓ صرف دو پہر ڈھلنے کا انتظار فرما رہے تھے کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب دشمن پر حملہ کرتے تو اسی وقت کرتے تھے۔ جب سورج ڈھلا تو سیدنا نعمان ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایک ایک علم کے پاس جا کر مجاہدین کی ہمت بڑھانے اور ان میں جوش پیدا کرنے لگے۔ فرماتے: ''تم میں سے ہر شخص اپنے گرد و پیش چھایا ہوا ہے جب میرا حکم ملے تیار ہو جاؤ۔ میں تین تکبیریں کہوں گا۔ پہلی تکبیر پر تم اپنی صفیں درست کر لینا۔ دوسری تکبیر پر ہتھیار کس کر تیار ہو جانا اور تیسری تکبیر پر میں انشاء اللہ حملہ کر دوں گا۔ تم بھی میرے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑنا۔ یا اللہ! اپنے دین کو عزت دے۔ اپنے بندوں کی مدد کر اور نعمان کو اپنے دین کی سربلندی اور اپنے دین کی نصرت کیلئے آج سب سے پہلے شہادت کے مقدس خون سے سرخرو فرما''۔ اب نعمان نے پہلی، پھر دوسری اور پھر تیسری تکبیر کہی۔ مسلمان نہایت بے تاب تھے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو شہادت یا فتح حاصل کئے بغیر اپنے گھر لوٹ جانا چاہتا ہو۔ نعمانؓ کی تیسری تکبیر پر مسلمان ایرانیوں پر اس طرح جھپٹے جیسے بھوکا عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ ان کی تلواریں ایرانیوں کے سروں کا صفایا کرنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان جنگ میں تلواروں کے ٹکرانے کی آوازیں اور نعروں کی آوازوں کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی

تھی۔ ایرانی اس قدر قتل ہوئے کہ زمین ان کے خون سے لالہ زار ہو گئی۔ خون زمین پر اتنی فراوانی سے بہہ رہا تھا کہ انسانوں اور گھوڑوں کے پاؤں پھسل جاتے تھے۔ آفتاب مغرب کی طرف ڈھلنے لگا۔ نعمان گھوڑے پر سوار دائیں طرف رخ کرتے تو مسلمانوں کی تلواریں ایرانیوں کے میسرے کا صفایا کرنا شروع کر دیتیں اور بائیں طرف پلٹتے تو ایرانیوں کا میمنہ خاک و خون میں لوٹتا نظر آتا۔ وہ دشمن کے قلب کو چیرتے چلے جا رہے تھے کہ ان کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور وہ زمین پر آ رہے۔ وہ زخموں سے چور ہو گئے تھے اس روز ان کا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جونہی وہ گھوڑے سے گرے ان کے بھائی نعیم بن مقرنؓ نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے ان کی شہادت کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور جاری رہی۔ نعمان کے بھائی نعیم نے جھنڈا سیدنا حذیفہؓ کو دے دیا۔ اور وہ جھنڈا لے کر چلے اور جہاں نعمان تھے وہیں جا کر اسے بلند کیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے جو ضبط و استقلال اور موت سے محبت کا جذبہ عطا فرمایا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ سیدنا نعمانؓ جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا۔ دیکھا کہ کچھ سانس باقی ہیں اور دم توڑ رہے ہیں۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آ گیا۔ وہ انہیں اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک بار پھر ان کے سرہانے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا: ''جنگ کا کیا انجام ہوا؟'' اس نے کہا: ''مسلمانوں کو فتح ہوئی'' اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے فرمایا: ''فوراً عمرؓ کو اطلاع دو''

اب کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں

جب رات نے اپنی سیاہ چادر اوڑھ لی تو ایرانیوں کے حوصلے جواب دے گئے، ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ ان کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹنے لگے لیکن لوہے کے وہ گوکھرو جو انہوں نے مسلمانوں کیلئے بچھائے تھے، انہوں نے ان کے قدم روک لئے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ بھاگنے والوں نے گوکھروؤں سے بچ کے نکلنا چاہا لیکن پیچھے خندق تھی جسے مسلمانوں کے خوف اور رات کی تاریکی نے ان کی نظروں سے چھپا دیا اور وہ گھوڑوں سمیت اس میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ خندق میں گر کر ہلاک ہونیوالوں کی تعداد اسی ہزار تھی اور یہ ان تیس ہزار ایرانیوں کے علاوہ تھی جو لڑائی میں کام آئے۔ چنانچہ ایرانیوں کا وہ ٹڈی دل لشکر اس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ اور برباد ہو گیا جو ایران کے طول و عرض سے مسلمانوں کو ایران کی سرزمین سے نکالنے کیلئے جمع ہوا تھا۔

سپہ سالار لشکر فیروزان بھی بھاگنے والوں میں سے تھا۔ وہ اکیلا اپنے گھوڑے پر سوار ہمدان کی طرف بھاگے چلا جارہا تھا کہ نعیم بن مقرن نے اسے دیکھ لیا اور قعقاعؓ نے اسے جالیا۔ ہوا یہ کہ شہد سے لدے ہوئے گدھوں اور خچروں کا ایک قافلہ پہاڑی کی گھاٹی سے گذر رہا تھا جس نے اس بھگوڑے سپہ سالار کا راستہ روک لیا اور وہ گھوڑے سے اتر کر پیدل پہاڑ میں پناہ لینے کیلئے چل پڑا۔ سیدنا قعقاعؓ نے اس کا پیچھا کیا اور اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو بولے: ان لِلہِ جنوداً من عسل (البدایہ النہایہ جلد ۷ ص ۱۱۱)

اللہ کے لشکر شہد سے بھی ہوتے ہیں

اس دن سے اس گھاٹی کا نام ہی "ثنیۃ العسل"، یعنی شہد کی گھاٹی پڑ گیا۔

ایرانی بھگوڑے بھاگتے بھاگتے ہمدان پہنچ گئے لیکن مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کیا۔ ہمدان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا اور قسم کھالی کہ جب تک شہر کے دروازے نہیں کھلیں گے واپس نہیں جائیں گے۔ حاکم شہر کو فیروزان اور اس کے ٹڈی دل لشکر کا حشر معلوم ہو گیا لہٰذا اس نے صلح کی درخواست کی جو سیدنا قعقاعؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ ہمدان اور درست بے مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ شرط مان لی گئی۔

سیدنا قعقاعؓ اپنے ساتھیوں سمیت جب ہمدان سے واپس لوٹے تو سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ جنگ کے بعد نہاوند شہر میں داخل ہو چکے تھے اور انہوں نے ایرانیوں کے مال و اسباب اور مال مویشیوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مال غنیمت مسلمانوں کی توقعات سے کہیں زیادہ تھا۔ نہاوند میں ایک مشہور آتش کدہ تھا۔ اس کا موبد سیدنا حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: "اگر مسلمان مجھے امان دیں تو میں انہیں ایک گراں بہا اور بیش قیمت خزانے کا پتہ دے سکتا ہوں۔ سیدنا حذیفہؓ نے اسے امان دے دی۔ اس موبد نے بیش قیمت جواہرات سے بھرے ہوئے دو صندوق ان کے سامنے لاکر رکھ دیئے۔ یہ وہ جواہرات تھے جن کو کسریٰ ایران نے مشکل وقتوں کیلئے یہاں چھپا کر رکھا ہوا تھا اور ان کا پتہ صرف اس موبد کو تھا۔

سیدنا حذیفہؓ نے مال غنیمت فاتحین میں تقسیم کیا۔ سر پر کفن باندھ کر لڑنے والوں کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیا۔ پھر وہ سپاہی بھی اس تقسیم میں شامل کئے گئے جو عقب میں فوج کی حفاظت پر مامور تھے اور ان لوگوں کو بھی حصہ دیا گیا جو لڑائی میں شامل ہونا چاہتے تھے لیکن کسی وجہ سے وہ شریک نہ ہو سکے۔ اتنی

فراخ دلی سے تقسیم کرنے کے باوجود بھی اس دن سوار کے حصہ میں چھ ہزار درہم اور پیدل کے حصہ میں دو ہزار درہم آئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد اس کا خمس اور وہ دونوں بیش قیمت صندوق سیدنا سائب بن اقرع کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیئے گئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مسلمان مجاہدین کو مال غنیمت میں سے اتنا کچھ مل گیا تھا کہ جب وہ دو صندوق جن میں نہایت بیش قیمت جواہرات تھے، موبد نے سیدنا حذیفہؓ کی خدمت میں پیش کیے تو فوج نے کہا کہ ہمیں مزید مال کی ضرورت نہیں لہٰذا غنیمت کا خمس اور جواہرات کے یہ دونوں صندوق بارگاہِ خلافت میں بھیج دیئے جائیں۔

ادھر نہاوند میں ایک جان توڑ لڑائی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ادھر مدینہ میں سیدنا عمرؓ مجاہدین اسلام کیلئے بے چین تھے۔ آپ بہت متفکر تھے کیونکہ جنگ سے پہلے ایرانی فوجوں کی جو خبریں ان کے پاس آ رہی تھیں ان کی وجہ سے انہیں بہت تشویش تھی۔ آپ کو ہفتوں سے اس جنگ کی خبر نہیں ملی تھی اس وجہ سے وہ رات رات بھر جاگتے رہتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لشکر کی فتح و کامیابی کیلئے دعائیں مانگتے رہتے۔ روایات میں ہے کہ ایک رات وہ اللہ کے حضور میں اسلامی فوجوں کی کامیابی کیلئے رو رو کر دعا مانگ رہے تھے تو ان کا خوف یک دم اطمینان میں بدل گیا اور ان کے دل نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو کامیاب اور فتح یاب کیا ہے۔ چنانچہ جلد ہی انہیں قاصد نے آ کر فتح کی خوش خبری سنا دی۔ طریف بن سہم نے امیر المؤمنین کو فتح کی خوش خبری تو سنا دی لیکن ناگوار اور صدمے والی خبریں اپنے دل ہی میں رہنے دیں۔ فتح کی خوش خبری سے امیر المؤمنین اور اہل مدینہ بہت خوش ہوئے اور دوڑ کر مسجد نبوی میں شکرانے کے نفل ادا کیے۔ ایک دو روز کے بعد سائب بن اقرع بھی مال غنیمت لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی نوید فتح سنائی۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: "نعمان بن مقرنؓ کیسے ہیں؟" انہوں نے کہا وہ تو شہید ہو گئے۔ یہ سنتے ہی سیدنا عمرؓ کانپ اٹھے اور لرزتی ہوئی آواز میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور بے اختیار رو پڑے یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی جب غم کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو سائب سے دوسرے شہداء کے نام پوچھے۔ سائب نے دوسرے سر برآوردہ شہداء کے نام بتائے اور کہا: "ان کے علاوہ کچھ اور مسلمان بھی شہید ہوئے جنہیں آپ نہیں جانتے" سیدنا عمرؓ نے پھر روتے ہوئے فرمایا: "عمر اگر ان لوگوں کو نہیں جانتا تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو انہیں جانتا ہے۔ جس نے انہیں شہادت کے انعام سے سرفراز فرمایا" سائب بن اقرع نے خمس مسجد نبوی میں رکھ دیا آپ نے وہ مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا۔ تقسیم کے بعد جب سیدنا عمرؓ مسجد سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے تو سائب نے انہیں راستہ میں بتایا کہ میرے پاس جواہرات کے دو صندوق بھی ہیں اور وہ جواہرات نہایت قیمتی ہیں۔ جو آپ کیلئے مخصوص ہیں۔ سیدنا عمرؓ یہ سن کر غصہ میں آ گئے اور فرمایا: ان کو فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ ان کو فروخت کر کے ان کی رقم فوج میں تقسیم کر دیں۔ یہ جواہرات چار کروڑ درہم میں فروخت ہوئے۔ چنانچہ ان کی فرورخت سے ہر سوار کو مزید چار ہزار درہم ملے۔

مدینہ والوں کو نہاوند کی فتح سے بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اس کا نام ہی "فتح الفتوح" رکھ دیا تھا۔ یہ واقعی فتح الفتوح تھی کیونکہ اس کے بعد پھر ایرانیون کے قدم کہیں نہ جم سکے بلکہ حالت یہ ہو گئی کہ کسریٰ ایران کو اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک سے پناہ کی بھیک مانگنی پڑی۔

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

فرمایا، آپ ﷺ نے ریت نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی حالانکہ قتال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا۔ ریت خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے پھینکی۔ تو اللہ کریم نے یہاں فاعل کو درمیان میں سے نفی کر دیا۔ یعنی کمالِ اطاعت یہ ہے کہ گویا انسان کا درمیان میں ہونا نہ ہونا برابر ہو گیا اور جس طرح اللہ کریم کا حکم تھا۔ اسی طرح، پوری طرح وہ کام کیا گیا۔ اللہ نے فرمایا یہ تم نے نہیں کیا یہ ہم نے کیا۔ تو یہ ہے کمالِ اطاعت کہ شرعی احکام میں کمی بیشی نہ کی جائے اور مکمل اطاعت کی جائے۔ باطن سے بھی، دل سے بھی اور ظاہری افعال سے بھی۔ روح میں ہے کہ پہلے جملہ میں فنا، افعال کی طرف ہے، ہدایت ہے کہ ان سے فعل کو بالکلیہ سلب کرلیا۔ دوسرے جملہ میں فنا کے ساتھ بقا کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حضور ﷺ مقام بقا پر تھے۔ فرمایا پہلے جملے میں کہ مسلمانوں نے ان کو قتل نہیں کیا ہم نے کیا۔ فرمایا اس میں سے فاعل کو نفی کر کے ان کے فنافی اللہ ہونے کی دلیل ہے کہ انہوں نے جو کام کیا، اللہ نے فرمایا کہ میں نے کیا ہے۔ گویا وہ نہیں تھے۔ اسی کو فنافی اللہ کہتے ہیں۔ کامل اطاعت اور دوسرے میں فرمایا جب آپ ﷺ نے ریت پھینکی، آپ ﷺ نے نہیں پھینکی میں نے پھینکی۔ اس میں یہ اثبات بھی کیا کہ پھینکی تو حضور ﷺ نے لیکن آپ ﷺ نے نہیں پھینکی، میں نے پھینکی فرمایا۔ یہ مقام بقا ہے۔ حضور ﷺ کی ذات اقدس کا اثبات کرتے کے بعد فعل کو اللہ نے اپنی طرف کرلیا۔ یہ ہے بقا باللہ کہ بظاہر اس میں فاعل انسان نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً فعل اللہ کا ہے۔ تو فرمایا اس میں فنافی اللہ اور بقا باللہ کی دونوں صورتیں واضح کر دی گئی ہیں۔

معیت:

قولہ تعالیٰ: وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال 19)

ترجمہ: اور واقعی یہ بات ہے کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

اس میں معیت کا اثبات ہے۔

معیت باری کا نصیب ہونا دلیل ایمان ہے۔ ایمان نہ ہو تو معیت باری نصیب نہیں ہوتی۔ فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ادھر معیت باری ہے اور ادھر انسان کا وصف ایمان بیان کیا گیا ہے کہ بندے کے پاس نور ایمان ہو تو اسے معیت باری نصیب ہوتی ہے۔

نور ایمان نام ہے صحتِ عقیدہ، صحتِ عمل کا۔ صحت عقیدہ تو ایمان کی جان ہے اور صحت عمل، ایمان کی صحت و بیماری ہے۔ اگر اعمال صحیح ہیں تو ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔ اعمال، خراب ہیں تو کمی ہوتی ہے۔ تو عقیدہ اور عمل درست ہو تو یہ ایمان ہے اور جہاں ایمان ہے، وہاں اللہ کا ساتھ، اللہ کی معیت، اللہ کی رحمت، اللہ کی مدد و نصرت شامل ہے۔

مسئلہ استعداد:

قولہ تعالیٰ: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانفال 23)

ترجمہ: اور اگر اللہ ان میں بھلائی پاتے تو ضرور ان کو سننے کی توفیق دیتے اور اگر ان کو سنا بھی دیتے وہ ضرور روگردانی کرتے ہوئے بھاگ جاتے۔

"یعنی استعداد لَّاَسْمَعَهُمْ مراد سمع تفہم ہے۔ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ یعنی باوجود عدم علم بالخیر، یعنی عدم خیر کے یعنی منتفع نہ ہوں کیونکہ عارض کی شان یہی

ہوتی ہے کہ زائل ہوجاتا ہے وَهُم مُّعْرِضُونَ یعنی بالذات کذافی الروح) پس اس میں اثبات ہے مسئلہ استعداد کا (اس طرح بعد کی آیت وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ کا حاصل بھی یہی ہے کہ پھر استعداد زائل ہو جاوے گی اس لئے فرصت کو غنیمت سمجھو کذافی الروح۔"

فرمایا۔ اگر ان میں استعداد ہوتی تو اللہ کریم انہیں سنا دیتے یعنی اس پر عمل کی توفیق انہیں عطا کر دیتے۔ تو یہاں فرماتے ہیں کہ استعداد کے لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اگر اب نیکی کرنے کا موقع مل رہا ہے تو یہ نہ سوچے کہ بعد میں کرلیں گے، بعد میں آپ کے پاس وہ کام کرنے کی توفیق رہے یا نہ رہے۔ فرماتے ہیں یہ استعداد گھٹتی، بڑھتی ہے۔ فرمایا، یہ عوارضات ہیں جو آتے جاتے رہتے ہیں، ایک وقت میں آپ ایک بیمار شخص پر ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں اور آپ کر دیں تو نیکی کمالی۔ دوسرے دن آپ کا اتنا نقصان ہوجاتا ہے کہ آپ دس روپے خرچ نہیں کر سکتے۔ اگر استطاعت کی حالت میں نیکی نہ کی ہوتی تو پھر وہ موقع تو نکل گیا تھا۔ تو فرماتے ہیں کہ جب بھی موقع آئے جتنی استعداد ہو، اتنی نیکی کر لینی چاہیے، کل کا کوئی پتہ نہیں کہ یہ جو حالات ہیں بدلتے رہتے ہیں کل وہ موقع ملے یا نہ ملے۔ عوارضات زائل ہوتے رہتے ہیں اور پھر وہ توفیق نہیں ملتی۔

مذمت مداہنت:

قولہ تعالیٰ: وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَآصَّةً (الانفال 25)

ترجمہ: اور تم ایسے وبال سے بچو جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔

"یعنی ان کو اور دوسروں کو بوجہ شوم صحبت کے شامل ہوگا یعنی جب مداہنت ہو۔"

فرمایا ایسے عذاب سے ڈرتے رہو جو صرف بدکاروں کو نہیں ہوگا بلکہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ سب کو کیوں لے لے گا؟ جو لوگ نیکی کر رہے ہیں وہ کیوں؟ فرمایا وہ بھی ان کی صحبت میں ہیں اور صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ ان کو برائی سے روکنے کی کوشش تو نہیں کر رہے تو برائی سے نہ روکنا، گویا اگلے کی برائی کو قبول کرنے کے برابر ہے۔ جب آپ بدکاروں کے ساتھ تعاون کریں گے اور بے دینوں کے ساتھ تعاون کریں گے تو گویا آپ بھی اس عذاب کی لپیٹ میں آسکتے ہیں جس عذاب کی لپیٹ میں وہ گناہگار اور وہ بدکار آئیں گے کیونکہ ان سے تعاون کر رہے ہیں۔ اور یہ شوم صحبت یعنی صحبت کی نحوست ہے۔

اگر بدکاروں کی صحبت عذاب میں لے جاسکتی ہے تو یقیناً نیک لوگوں کی صحبت عذاب سے بچا بھی سکتی ہے۔ یہ دونوں باتیں اس سے ثابت ہوگی ہیں۔

تقویٰ کا شرطِ ولایت ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَمَا كَانُوٓا أَوْلِيَآءَهُ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ (الانفال 34)

ترجمہ: حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی نہیں اس کے متولی سوا متقیوں کے کوئی بھی اشخاص نہیں۔

"بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف ضمیر راجع ہے پس تقویٰ کا شرط ولایت ہونا منصوص ہے اور دوسری آیت أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ بلا دوسرے احتمال کے اس میں نص ہے آج کل تارکین شریعت کو ولی سمجھا جاتا ہے انا للہ۔"

فرمایا اس میں تقویٰ کا شرطِ ولایت ہونا منصوص ہے۔ یعنی یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے، یہ شرط تو مسجد اور بیت اللہ کے احکام میں رہی ہے کہ وہ شخص اس کے متولی نہیں ہیں جو لوگ دین دار نہیں ہیں یہ تو دین دار لوگوں کا حق ہے۔ لیکن سلوک کا مسئلہ اس میں سے حضرت یہ اخذ فرماتے ہیں کہ تقویٰ شرط ولایت ہے۔ ولی اللہ متقی ہوگا۔ متقی سے مراد ہے کہ اس کا عقیدہ بھی صحیح ہوگا اور عمل بھی شریعت کے مطابق ہوگا تو جس

کوعقیدے کی بھی خبر نہیں اور عمل کی دنیا سے بھی بے بہرہ ہے۔ اسے خواہ مخواہ ولی سمجھ لینا درست نہیں۔ ولایت کی شرط یہ ہے کہ عقائد بھی درست ہوں اور اعمال بھی سنت کے مطابق ہوں۔

بعض کشوف بلکہ بعض حسیات یقظہ کا ناتمام ہونا:

قولہ تعالیٰ: اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا (الانفال 43)

ترجمہ: وہ وقت قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے۔

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ بعض اوقات بعض واقعات کو نبی ﷺ سے بھی مخفی فرما لیتے ہیں تو غیر نبی کا کیا ذکر ہے۔ (جیسا کہ اس واقعے میں ہوا کہ کفار تھے تو زیادہ اور حضور اکرم ﷺ پر منکشف کم ہوئے) سو اس شخص کا کیا حال ہے جو اس کو اپنے شیخ کے لئے جائز نہ سمجھے اور اس کے کشف و جواب پر جزم کر لے اور یہ واقعہ تو مقام میں تھا اور ایسا ہی بیداری میں ممکن ہے جیسا اس کے بعد والی آیت میں یہاں فرماتے ہیں کہ جو چیز اللہ بتانا چاہیں وہ بتاتے ہیں۔ اب کفار کی تعداد حقیقتاً زیادہ تھی۔ حضور ﷺ کو جو مشاہدہ ہوا اس میں آپ کو کم دکھلائی گئی۔ تو گویا جو حکمت الٰہی تھی کہ ان کی صحیح تعداد حضور ﷺ کو نہ دکھائی گئی۔ یہ اللہ کی شان ہے۔ متعدد جگہ قرآن کریم میں یہ چیزیں ملتی ہیں مثلاً حضرت ابراہیم کے بارے ملتا ہے، كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ایک وقت میں یہ ملتا ہے کہ آسمانوں کی اور زمینوں کی بادشاہت ہم نے کھول کے رکھ دی اور حضرت ابراہیم کو دکھا دی لیکن دوسرے وقت میں یہ ملتا ہے کہ ان کو حکم دیا گیا کہ بیٹے کو ذبح کرو اور انہوں نے بیٹے سے بھی بات کی اور انہیں لے جا کر، لٹا کر چھری چلا دی، ذبح کر دیا، سمجھا بیٹا ذبح کر دیا، آنکھ کھولی تو دنبہ ذبح ہوا پڑا تھا اور بیٹا زندہ تھا تو پریشان ہوئے تو وحی الٰہی آئی کہ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا کہ آپ نے اپنا خواب پورا کر دیا۔ اب لیکن انہیں یہ بتایا ہوتا کہ بیٹے نے ذبح نہیں ہونا۔ ذبح تو کوئی دنبہ ہوگا۔ وہ آجائے گا تو پھر تو ہر کوئی کر سکتا ہے حضرت ابراہیم کے لئے خاص کیوں۔ تو یہ فرماتے ہیں کہ کشف والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ ان کے کشف حرف آخر نہیں ہوتے۔ آخری بات اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے اور کشف کے لئے بھی دو شرطیں خاص ہیں۔ ایک، کشف شریعت کے مطابق ہو۔ اگر شریعت سے ٹکراتا ہے تو اسے سمجھنے میں غلطی لگی اسے چھوڑ دے۔ شریعت کے مطابق ہے تو خود صاحبِ کشف، اس پر عمل کا مکلف ہے کوئی دوسرا نہیں اور خود صاحبِ کشف بھی اس پر عمل نہیں کرے گا تو دنیا کا نقصان ہوگا، آخرت کا نہیں ہوگا۔ کیونکہ صرف نبی کی بات قابل اتباع ہے ماوشما کی نہیں۔

اہل غفلت کی تشبہ کی ممانعت:

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ (الانفال 47)

ترجمہ: ان لوگوں کے مشابہ مت ہو جاؤ جو گھروں سے اتراتے ہوئے، دکھلاوے کے لئے نکلے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔

''اس میں مسلمانوں کو بطر اور ریا میں ان کے مشابہ ہونے سے نہی کی گئی ہے پس اولیا کو اعدا کی مشابہت سے ممانعت ہوئی۔''

فرمایا جب نافرمان گھر سے نکلے تو بڑے اکڑتے ہوئے نکلے اور اللہ کے دین سے لوگوں کو روکنے کے لئے نکلے تو فرماتے ہیں نیک لوگوں کو بدکاروں کی مشابہت بھی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ کے بندوں کو کافروں سے، بے دینوں سے مشابہت بھی نہیں کرنی چاہیے۔ ان جیسا لباس، ان جیسی بول چال، ان جیسے انداز، ان جیسا ہونا، ان جیسا نظر آنا، یہ بھی نقصان دہ ہے۔ فرمایا، اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔

(۱) الانسان مستقلاً فی الذنب (۲) ابلیس کا ترک وسوسہ جب انسان کو گناہ میں مستقل دیکھتا ہے (۳) اہل باطل کو کشف ہونا ممکن (۴) خوف طبعی کا نہ ہونا۔

قولہ تعالیٰ: وَقَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ (الانفال 48)

ترجمہ: پھر جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور یہ کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں۔ میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔

"اس واقعہ میں ابلیس سراقہ بن مالک کنانی کی صورت میں متمثل ہوگیا تھا۔ پس آیت میں کئی مسئلوں پر دلالت ہے۔ اول ابلیس کبھی گناہ کے وسوسہ کو ترک کر دیتا ہے جیسا اس قصہ میں اول وسوسہ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ کہہ کر اس کو ترک کر دیا اور یہ ترک اس وقت ہوتا ہے جب دیکھتا ہے کہ بدون میرے وسوسے کے بھی انسان گناہ کرے گا۔ دوسرا مسئلہ اہل باطل کے لئے کشف کا ممکن ہونا۔ چنانچہ ابلیس کو ملائکہ مکشوف ہوگئے۔ جس کی خبر اس قول میں دی گئی ہے إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ ۔ تیسرا مسئلہ تمثل کا جیسا وہ کنانہ کی صورت میں متمثل ہوا۔ چوتھا مسئلہ خدا تعالیٰ سے خوف طبعی کا کافی نہ ہونا جیسا شیطان کا خوف تھا اور اس نے إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ کہا۔ مطلوب خوف ایمانی ہے۔"

یعنی ابلیس کئی حیلے کرتا ہے جیسے بدر کو نکلے تو سراقہ بن مالک کنانی جو اہل مکہ کا مخالف تھا اور مشرکین جب لشکر تیار کر کے نکلے تو انہیں ڈر تھا کہ شہر خالی دیکھ کر کہیں سراقہ حملہ نہ کر دے اور ہماری املاک لوٹ کر نہ لے جائے۔ لیکن جب وہ شہر سے باہر آئے تو دیکھا کہ سراقہ اپنے گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ساتھ اس کا لشکر ہے۔ اس کے قبیلے کے لوگ ہیں۔ اس نے مشرکین سے کہا آگے بڑھو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ وہ خوش ہو گئے کہ یہ تو بڑی قوت بن گئی۔ جب بدر میں مقابلے کا وقت آیا تو وہ اپنے لشکر سمیت بھاگ اٹھا۔ وہ تو ابلیس تھا جس نے سراقہ کا روپ دھار رکھا تھا۔ مشرکین نے اسے عار دلائی کہ تم اتنے نامی گرامی جنگجو ہو کر بھاگ رہے ہو۔ اس نے کہا جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے۔ اس میں یہ ثبوت ہے کہ جن فرشتہ کو دیکھ سکتا ہے۔ ابلیس چونکہ جنوں میں سے ہے جن بھی وجود لطیف ہیں تو یہ لطیف چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ جب فرشتوں کا نزول ہوتا ہے تو انسان نہیں دیکھ سکتا۔ جن دیکھ لیتے ہیں۔ اس لئے جب ابلیس نے ملائکہ کا نزول دیکھا تو بھاگ گیا۔ فرماتے ہیں شیطان کبھی وسوسہ ڈالنے کے بجائے عملی طور پر بھی معاون بن جاتا ہے۔ جیسے ہمارے لئے سراقہ بن مالک بن کر نہ آئے تو اپنے کسی چیلے کو بھیج دیتا ہے جو کوئی نہ کوئی برائی کرالیتا ہے۔ فرمایا ضروری نہیں کہ وسوسہ ہی ڈالے عملی طور پر آ کر بھی کرالیتا ہے۔ اور دوسرا بڑا مسئلہ اس میں یہ ہے کہ اس نے بھی کہا کہ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ اللہ کا وہ ڈر مطلوب نہیں جو شیطان کو بھی ہے اللہ کو وہ مانتا بھی ہے اس سے ڈرتا بھی ہے لیکن اطاعت نہیں کرتا تو یہ ایک فطری ڈر ہے، جو اپنی کمزوری سے ہوتا ہے۔ ایک ڈر ہوتا ہے عقلاً جو بندہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس ہستی سے ٹکر نہیں لینی، اس کی غلامی، اس کی اطاعت کرنی ہے، فرمایا وہ مطلوب ہے، فطری ڈر مطلوب نہیں۔ وہ ڈر مطلوب ہے جو انسان اپنی فہم وفراست سے فیصلہ کرے۔ فطرتاً تو شیطان بھی ڈرتا ہے، اسے پتہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

تقصیر العمل سے برکات کا انقطاع:

قولہ تعالیٰ: ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (الانفال 53)

ترجمہ: یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو بدل نہیں ڈالتے۔

"اس کے عموم میں وہ صورت بھی داخل ہوگئی کہ جب سالک سے کوئی معصیت صادر ہو جاتی ہے یا کوئی اطاعت ترک ہو جاتی ہے تو اس سے انوارات وبرکات مقصودہ منقطع ہو جاتے ہیں۔"

فرمایا، اس آیت کریم میں ہے کہ اللہ جو نعمت کسی کو دیتا ہے وہ تب تک نہیں چھینتا جب تک کہ وہ اپنے حالات کو نہیں بدلتے۔ جب تک وہ خود

خرابی کی طرف نہ جائے تو فرمایا، سالک اور طالب اور تصوف کا طالب علم جو ہے، جو اللہ اللہ کرتا ہے، جب وہ گناہ کرتا ہے تو وہ کیفیات جو برکات ذکر ہیں، ان میں کمی آجاتی ہے۔ برکات منقطع ہو جاتی ہیں۔ مشاہدات رک جاتے ہیں۔ مراقبات رک جاتے ہیں تو احتیاط کرنی چاہیے کہ اپنی حالت کو پستی کی طرف نہ لے جائے، بلندی کی طرف لے جائے۔

تدبیر سیاست اور کمال باطنی میں منافات نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ ....وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ (الانفال 60-57)

ترجمہ: سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پائیں تو ان کے ذریعہ سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیجئے تاکہ وہ لوگ سمجھ جاویں اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کریں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ عاجز نہیں کر سکتے اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو اللہ کے دشمن ہیں۔

''اس پر دلالت ہے کہ سیاسی تدابیر کمال باطنی کے منافی نہیں ہیں جیسا بعض غلاۃ اہل رہبانیت خیال کرتے ہیں۔''

یعنی کسی کو کمالات باطنی بھی حاصل ہوں تو ظاہری تدبیر سے اس کو ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے جس طرح اللہ نے یہ حکم دیا اپنے نبی ﷺ کو کہ کفار کو شکست ہو گئی ہے تو جو دوسرے ارد گرد لوگ ان کی اعانت کا سوچ رہے تھے ان کو بھی منتشر کر دیجئے، بھگا دیجئے اور اپنی جنگی قوت مضبوط کیجئے۔ ہتھیار ہوں، اسلحہ ہو، پلے ہوئے گھوڑے ہوں یعنی اسباب جنگ اعلیٰ ہوں تاکہ دشمنوں پر دھاک بیٹھی رہے کہ یہ تدابیر ظاہری جو ہیں کمالاتِ باطنی کے باوجود یہ اختیار کرنا، اگر نبی کریم ﷺ کو حکم ہے تو ولی کی کیا حیثیت ہے کہ وہ سمجھے کہ میرے پاس تو کمالاتِ باطنی ہیں مجھے ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔ تدبیر ظاہری بھی اطاعت الٰہی ہے اور شریعت کے مطابق اسباب ظاہری کا اختیار کرنا بجائے خود عبادت ہے۔

مرید کے قلب میں اثر پیدا کرنا شیخ کے قبضہ میں نہیں:

قولہ تعالیٰ: وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ (الانفال 63)

ترجمہ: اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے۔

''اس میں دلالت ہے کہ قلب میں کسی صفت محمودہ کا پیدا کرنا باختیار شیخ نہیں۔''

نبی ﷺ کو ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ دنیا کی دولت بھی خرچ کر دیتے تو جو محبت صحابہ کے دلوں میں اللہ نے پیدا کر دی ہے ایسی محبت پیدا نہ کر سکتے فرمایا۔ شیخ کی کیا حیثیت ہے۔ قلب میں اعلیٰ صفات کا پیدا کرنا شیخ کے اختیار میں نہیں کہ اس کے دل میں پیدا کر دے، اس کے دل میں نہ کرے۔ بلکہ شیخ توجہ کر سکتا ہے اور یہ چیزیں عطا کرنا اللہ کے اختیار میں ہے وہ خود جسے جو چاہتا ہے دیتا ہے۔

تعلیم مجاہدہ میں ضعف کی رعایت:

قولہ تعالیٰ: الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا (الانفال 66)

ترجمہ: اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے۔

''اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ ضعف مدار تخفیف ہے پس شیخ پر لازم ہے کہ ضعیف کو مجاہدہ قویہ نہ بتلائے۔''

فرمایا، شیخ کو چاہیے کہ کمزور ساتھی کو اتنا مجاہدہ بتائے جتنا وہ کر سکتا ہے، کمزور کے لئے مجاہدہ اس کے معیار کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہر بندے کا معیار اس کی اپنی حیثیت کے مطابق ہے۔

ایک بندہ کھڑا ہی نہیں ہوسکتا وہ بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اس پر فرض نہیں ہے یعنی جتنی کمزوری ہو اتنی مجاہدات میں تخفیف کی جا سکتی ہے اور شیخ کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

شیوخ سے غلطی کا امکان:

قولہ تعالیٰ: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (الانفال 67)

ترجمہ: نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کرلیں۔

''جب معصوم پر خطائی الاجتہاد جائز ہے تو غیر معصوم کا تو کیا پوچھنا پس شیوخ پر امتناع خطا کا اعتقاد اور ان کی معصیت میں بھی سر غامض کا اعتقاد کس درجہ غلو قبیح ہے۔''

بدر میں جب قیدیوں کے بارے حضور ﷺ نے مشورہ مانگا اور یہ فیصلہ کیا کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ صحیح نہیں تھا۔ چاہیے تھا کہ جو نبی ﷺ کے مخالف میدان میں آئے تھے سب کو قتل کر دیا جاتا لیکن اللہ نے آپ ﷺ پر گرفت نہیں فرمائی۔ تو یہاں حضرت فرماتے ہیں کہ جب معصوم پر خطائی الاجتہاد جائز ہے جس کے بارے ارشاد باری ہوا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال آپ ﷺ نے کر دیا اللہ نے قبول فرمالیا۔ تو فرماتے ہیں کہ اجتہاد میں خطا اگر معصوم سے ہوسکتی ہے تو پھر دوسرے کسی کی کیا حیثیت ہے۔ یعنی اجتہاد میں خلوص سے حق کو تلاش کرنا چاہیے۔ ان میں خطا بھی ہو جائے تو اس پر بھی ایک ثواب ہے اور اجتہاد درست ہو تو اس پر دو گنا ثواب ہے تو فرماتے ہیں یہاں پس شیوخ پر امتناع خطا کا اعتقاد اور ان کی معصیت میں بھی سر غامض کا اعتقاد کس درجہ غلو قبیح ہے۔ یعنی اپنے مشائخ کے متعلق یہ سوچنا کہ ان سے کوئی گناہ بھی ہو جائے تو اس میں کوئی راز ہوگا فرمایا یہ بہت زیادہ غلو ہے۔ گناہ گناہ ہے۔ وہ چھوٹے سے ہو یا بڑے سے اور نیکی، نیکی ہے خواہ کوئی کرے، جو پیروں کے ساتھ یہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ جی ان کے منازل بلند ہیں تو یہ گناہ بھی ان پر حلال ہے۔ فرمایا یہ درست نہیں، خطا، خطا ہے۔

قولہ تعالیٰ: لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ (الانفال 68)

ترجمہ: اس میں اگر اللہ کا ایک نوشتہ مقرر نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی سزا واقع ہوتی۔

''جس خطا اجتہادی پر اجر وارد ہے اس پر عتاب اس مقولہ کی صحت کی دلیل ہے حسنات الابرار سیات المقربین۔''

فرمایا، اگر اللہ منظور نہ فرمالیتے یہی اللہ کا نوشتہ نہ ہوتا آپ لوگوں کا فیصلہ ہوتا تو آپ کو سزا دی جاتی تو یہاں فرماتے ہیں کہ خطا اجتہادی پر بھی ایک آدمی کو ایک گنا اجر ملتا ہے لیکن مراتب کی بات ہوتی ہے۔ مرتبہ حضور ﷺ کا یہ تھا کہ اسے بھی خطا تصور کیا گیا۔ تو فرماتے ہیں۔ حسنات الابرار سیات المقربین نیکوں کی نیکیاں مقربین کی خطائیں ہیں۔ یعنی جتنا کسی کا مقام ہوتا ہے اتنے معاملات نازک ہوتے چلے جاتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (الانفال 70)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور تم کو بخش دے گا۔

''اس میں دلالت ہے کہ اطاعت سے دنیا اور آخرت دونوں کے برکات حاصل ہوتے ہیں خواہ مال کی صورت میں یا باطنی احوال کی صورت میں۔''

فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ کریم کی اطاعت سے دونوں طرح کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ دنیاوی بھی اور اخروی بھی اور اگر اطاعت سے دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں تو گناہ سے دنیا کا بھی نقصان ہوتا ہے اور آخرت کا بھی۔

خواتین کا صفحہ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ام فاران (راولپنڈی)

چار اہم واقعات: حضرت عائشہؓ کی حیات مبارکہ کے چار واقعات ایسے ہیں جو بے حد اہم ہیں افک، ایلاء، تحریم اور تخییر۔

واقعہ افک: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضورﷺ سفر کا قصد فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے، جس کسی کے نام قرعہ نکلتا اس کو اپنے ہمراہ سفر پہ لے جاتے۔ جب غزوہ بنی مصطلق پیش آیا تو تمام ازواج میں سے میرے لئے آپﷺ کے ساتھ چلنے کا قرعہ نکلا۔ مجھ کو لے کر حضورﷺ روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں عورتیں بقید زیست کھاتی تھیں اور موٹی نہیں ہوتی تھیں کہ بوجھل ہو جائیں۔ جب میرا اونٹ چلتا تو میں اپنے ہودج میں بیٹھ جاتی، پھر وہ لوگ آتے جو میرے اونٹ کو ہنکاتے تھے، مجھے ہودج سمیت اُٹھاتے اور اونٹ کی پشت پہ رکھ دیتے اور رسی سے باندھ دیتے، پھر اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل پڑتے۔ جب رسول اللہﷺ اپنے اس غزوہ سے فراغت پا کر لوٹے اور مدینہ کے قریب پہنچے اور ایک منزل میں پڑاؤ ڈالا۔ رات کا کچھ حصہ وہاں گزارا، پھر اطلاع دینے والوں نے لوگوں میں کوچ کی اطلاع دی۔ لوگ تیاری میں لگ گئے۔ اور میں اپنی بعض حاجت کے لئے نکلی اور میرے گلے میں میرا ہار پڑا ہوا تھا جو حمیر کے موضع ظفا کی کوڑیوں کا تھا۔ وہ ہار میرے گلے سے نکل گیا اور مجھے پتا نہ چلا میں اپنے کجاوہ کے پاس آئی اور میں نے اپنے ہار کو گلے میں ٹٹولا اور نہ پایا لوگوں نے کوچ شروع کر دی اور میں اسی جگہ لوٹی جہاں حاجت کے لئے گئی تھی۔ میں نے ہار کو تلاش کیا اور پالیا۔ بعد میں وہ لوگ آئے جو میرے اونٹ پر کجاوہ رکھتے تھے۔ انہوں نے میرے ہودج کو پکڑا انہیں یہ گمان تھا کہ میں اسی میں ہوں جیسا کہ میں رہا کرتی تھی۔ انہیں ذرا برابر شک نہ گذرا کہ میں اس میں نہیں ہوں۔ اونٹ کی نکیل پکڑ کر وہ لوگ چل دیئے۔ جب میں لشکر کی طرف لوٹی تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا نہ جواب دینے والا۔ سب جا چکے تھے میں اپنی چادر لپیٹ کر اسی جگہ لیٹ گئی اور میں نے جان لیا کہ جب میں نہ پائی جاؤں گی تو لوگ لوٹ کر میری طرف ضرور آئیں گے۔ پس میں لیٹی ہوئی تھی کہ صفوان بن معطل سلمیؓ میرے پاس سے گذرے۔ یہ لشکر سے اپنی ضروریات کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے جس کی وجہ سے اندھیرے اندھیرے لوگوں کے ساتھ نہ جا سکے۔ انہوں نے اندھیرے میں میری سیاہی دیکھی اور میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ عورتوں پر پردہ کا حکم لگایا جاتا وہ مجھے دیکھ چکے تھے انہوں نے کہا، انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ یہ تو رسول اللہﷺ کی پردہ نشین ہیں۔ میں اپنے کپڑوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا خدا آپؓ پر رحم فرمائے آپؓ کس وجہ سے پیچھے رہ گئیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے ان سے کوئی بات نہ کی انہوں نے اپنا اونٹ میرے قریب کیا اور مجھ سے کہا کہ "اس پر سوار ہو جائیں"، خود پیچھے ہٹ گئے۔ میں اس پر سوار ہو گئی۔ انہوں نے نکیل پکڑی اور تیزی کے ساتھ لوگوں کی طلب میں چلے، ہم نے صبح تک لوگوں کو نہ پایا اور لوگ ہمیں نہ ملے۔ جب لوگ پڑاؤ ڈال کر اطمینان سے ٹھہر چکے تھے تب یہ بیچارے میرے اونٹ کو کھینچتے ہوئے پہنچے۔ اس پر بہتان باندھنے والوں نے جو کہنا تھا کہا اور لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ مجھے اس بارے میں کسی بات کا پتہ نہ چلا اور ہم مدینہ پہنچ گئے۔ پہنچتے ہی میں سخت بیمار ہو گئی اور مجھے اس واقعہ

کی کوئی اطلاع نہ ملی ۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک اور میرے والدین تک پہنچی ۔ مجھ سے ان حضرات نے تھوڑا بہت کچھ بھی تذکرہ نہ کیا ۔ اتنی بات ضرور تھی کہ حضور ﷺ کی بعض وہ پہلی عنایتیں نہ دیکھیں (کیونکہ) اس سے پہلے جب کبھی میں بیمار ہوجاتی تھی تو آپ ﷺ بہت مہربانی اور شفقت فرماتے تھے ۔ آپ ﷺ نے میری اس بیماری میں کچھ بھی نہ کہا ۔ مجھے آپ ﷺ کی اس بات سے کھٹک محسوس ہوئی ۔ آپ ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے اور میرے پاس میری ماں کو تیمارداری میں مشغول دیکھتے تو فرماتے اب اس کا کیا حال ہے؟ اس کے علاوہ کچھ بھی نہ کہتے سنتے ۔ میں نے اپنے دل میں اس بات سے رنج محسوس کیا ۔ جب میں نے اپنے بارے میں آپ ﷺ کی بے رخی دیکھی تو میں نے عرض کیا ، یارسول اللہ ﷺ! کاش آپ مجھے اجازت دے دیں کہ میں اپنی والدہ کے پاس چلی جاؤں تاکہ وہ میری تیمارداری کریں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کچھ حرج نہیں ۔'' تو میں اپنی ماں کے پاس چلی گئی ۔ اور جو کچھ گزرا تھا اس کا ابھی تک مجھے قطعاً علم نہیں ہوا ۔ یہاں تک مجھے اپنی بیماری سے بیس روز سے کچھ اوپر دن میں شفا ہوئی ۔ ہم لوگ عربی قوم تھے اپنے گھروں میں بیت الخلاء نہیں بناتے تھے جو اہل عجم میں پائے جاتے ہیں، ہم لوگوں کو یہ ناپسند تھا ۔ ہم لوگ قضائے حاجت کے لئے مدینہ کے جنگل جایا کرتے تھے ۔ عورتیں اپنی حاجت کے لئے رات کو نکلتی تھیں ۔ چنانچہ ایک رات میں اپنی حاجت کے لئے نکلی میرے ساتھ مسطح کی ماں تھی، وہ میرے ساتھ چل رہی تھی، اچانک اس کی چادر سے ایک پتھر اٹکا اس نے کہا ''مسطح برباد ہو ۔'' میں نے کہا، '' تو نے ایک مہاجر آدمی کے بارے میں بہت بری بات کہی وہ تو بدر کی لڑائی میں شریک رہے ہیں ۔'' اس نے کہا اے ابوبکرؓ کی بیٹی! '' کیا ابھی تمہیں اس بات کی خبر نہیں لگی؟'' میں نے پوچھا '' کس بات کی خبر؟'' تو اس نے مجھ بہتان باندھنے والوں کا سارا قصہ کہہ سنایا میں نے کہا، '' کیا واقعی ایسا کہا گیا ہے ؟'' انہوں نے کہا خدا قسم ایسا ہی کہا گیا ہے ۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں خدا کی قسم یہ سن کر مجھ میں اتنی بھی سکت نہ رہی کہ میں قضائے حاجت ہی کر سکوں ۔ میں واپس چلی آئی اور برابر روتی رہی ۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوگیا کہ میرا جگر پارہ پارہ ہوجائے گا اور میں نے اپنی ماں سے کہا '' اللہ آپؓ کی مغفرت کرے لوگ جو کچھ بیان کر رہے ہیں آپؓ نے مجھ سے اس میں سے کسی بات کا ذکر نہیں کیا'' ماں نے کہا '' اے میری چھوٹی بیٹی! ذرا اپنی حالت پر رحم کر اور نرمی اختیار کر''۔

اسی طرح یہ واقعہ حضرت عائشہؓ نہایت صراحت سے بیان فرماتی جاتی ہیں، جس کے مطابق حضور ﷺ نے لوگوں میں خطبہ دیا اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا اے لوگو! ان لوگوں نے کیا ٹھان رکھی ہے جو مجھے میرے اہل کے بارے میں تکلیف پہنچاتے ہیں ۔ ان کے بارے میں ناحق کہتے ہیں خدا کی قسم! جہاں تک مجھے علم ہے میں نے اپنے اہل میں بھلائی دیکھی ہے ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں یہ افترا پردازی عبداللہ بن ابی (منافق) نے خزرج کے لوگوں مع مسطحؓ اور حمنہؓ بنت جحش کے پھیلائی تھی ۔ بنت جحش کی شرکت کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بہن زینبؓ بنت جحش آنحضرت ﷺ کی ازواج میں سے تھیں اور تمام ازواج میں سے کوئی بھی بی بی حضرت زینبؓ کے علاوہ ایسی نہ تھی جو میرے مقابل آپ ﷺ کے نزدیک ہو ۔ لیکن خود حضرت زینبؓ کو اللہ نے ان کے دین کی وجہ سے اس بات سے محفوظ رکھا اور انہوں نے سوائے بھلی بات کے اور کچھ نہ کہا ۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا خطبہ ختم کیا تو حضرت اسید بن حضیرؓ نے عرض کی، '' یارسول اللہ! اگر وہ لوگ قبیلہ اوس سے ہیں تو ہم آپ ﷺ کی طرف سے ان سے نمٹ لیں گے اور اگر وہ لوگ ہمارے خزرجی بھائی ہیں تو قابل گردن زدنی ہیں پس ہمیں حکم دیجئے ۔''
لیکن دونوں طرف کے لوگ تیار ہوگئے اور قریب تھا کہ فتنہ

برپا ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ ممبر سے اُتر کر حجرہ میں تشریف لائے۔

حضرت عائشہؓ اس کے بعد آپ ﷺ کی حضرت علیؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے گفتگو بیان فرماتی ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ میرے والدین بھی موجود تھے۔ میرے پاس ایک انصاری عورت بھی موجود تھی وہ اور میں دونوں رو رہے تھے۔

آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا، "لوگوں نے جو کچھ کہا ہے وہ تمہیں معلوم ہو ہی چکا ہے۔ تم اللہ سے ڈرو۔ اگر واقعی تم نے کسی برائی کا ارتکاب کیا ہے، جو لوگ کہہ رہے ہیں تو اللہ سے توبہ کرو، بے شک وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، "جیسے ہی آپ ﷺ نے یہ بات کہی میرے آنسو خشک ہو گئے میں نے ایک بھی آنسو گرتے محسوس نہ کیا۔ میں انتظار کرنے لگی کہ میرے والدین میری جانب سے کچھ جواب دیں گے لیکن دونوں نے کچھ نہ کہا"۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "میں اپنے آپ کو حقیر اور اپنی شان کو اس بات سے بہت کم سمجھتی رہی کہ اللہ پاک میرے بارے میں قرآن اتارے گا جس کی تلاوت کی جائے گی اور نماز میں بھی پڑھا جائے گا، مجھ کو تو فقط یہ گمان تھا کہ اللہ آپ ﷺ کو کوئی خواب دکھادے گا جس سے مجھ پہ لگا جھوٹا الزام اللہ دور کر دے گا، اس لئے کہ اللہ میری برأت سے خوب واقف ہے۔" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، جب میرے ماں باپ نے کوئی بات نہ کی تو میں نے ان سے کہا کہ وہ کوئی جواب کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا، "خدا کی قسم وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا جواب دیں" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نہیں جانتی کہ کسی گھر والوں پہ اتنا رنج وغم اترا ہوگا جتنا ان دنوں ابوبکرؓ کے گھرانے پہ اُترا تھا۔ جب میں نے انہیں چپ دیکھا تو روئی اور پھر کہا، "جس بات کا آپ ﷺ تذکرہ فرمارہے ہیں، اس کے لئے اللہ کی طرف توبہ نہ کروں گی۔ اللہ جانتا ہے کہ میں اس بات سے بری ہوں جو لوگ کہتے ہیں۔ اگر میں اس کا اقرار کروں تو یقیناً میں ایسی بات کہوں گی جو واقع نہیں ہوئی اور اگر میں اس چیز کا انکار کرتی ہوں جو لوگ کہہ رہے ہیں تو آپ ﷺ میری تصدیق نہیں کریں گے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، اس کے بعد میں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام لینا چاہا مجھے یاد ہی نہ آیا میں نے کہا میں اسی طرح پہ صبر کرتی ہوں جیسے کہ ابو یوسف نے کہا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (سورۃ یوسف، ۱۸)

ترجمہ: "پس صبر ہی خوب ہے اور جو باتیں تم بناتے ہو ان میں اللہ ہی مدد فرمائے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، پس رسول اللہ ﷺ اسی جگہ تھے کہ آپ ﷺ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی جس طرح (وحی کے وقت) طاری ہوا کرتی تھی۔ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا اور چمڑے کا تکیہ آپ ﷺ کے سر کے نیچے رکھ دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ نہ تو میں گھبرائی اور نہ میں نے کوئی پرواکی، اس لئے کہ میں جانتی تھی کہ میں بری ہوں اور اللہ مجھ پر ظلم نہیں کرنے والا لیکن میرے ماں باپ، بس قسم اس ذات کی کہ عائشہؓ کی جان اس کے قبضہ قدرت میں ہے جب تک حضور ﷺ سے چادر نہ اُٹھائی گئی ان کا یہ حال تھا کہ مجھے گمان ہوا کہیں دونوں کی جان نہ نکل جائے اس ڈر سے کہ جو لوگ کہہ رہے ہیں کہیں اس کی تصدیق نہ اُتر آئے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "جب رسول اللہؐ سے یہ کیفیت ختم ہوئی آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے پسینہ موتیوں کی طرح ٹپک رہا تھا حالانکہ سخت سردی کا دن تھا آپ ﷺ اپنے چہرے سے پسینہ پونچھتے جاتے اور فرمارہے تھے، "اے عائشہؓ! بشارت حاصل کر۔ اللہ عزوجل نے تیری برأت نازل فرمادی۔"

میں نے کہا، "الحمدللہ میں صرف اپنے رب کی شکر گزار ہوں اور کسی کی ممنون نہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے لوگوں میں جاکر آیت برأت تلاوت فرمائی۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ (سورہ نور،۱۲)

ترجمہ: "جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔"

اس کے بعد مسطح بن اثاثہؓ، حسان بن ثابتؓ اور حمنہؓ بن جحش کے لائے جانے کا حکم دیا جنہوں نے اس بہتان کی اشاعت کی تھی اور تینوں پہ بہتان بندی کی حد لگائی گئی۔ (حیات الصحابہؓ)

۹ ھ میں تحریم اور ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ واقعہ تحریم کی تفصیل حضرت حفصہؓ کے حالات میں آئے گی البتہ ایلاء کی تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے۔

واقعہ ایلاء: آنحضرت ﷺ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی غلہ اور کھجور کی جو مقدار سرور کائنات اور ازواج مطہراتؓ کے لئے مقرر تھی ان کی ضروریات کے لئے کافی نہ تھی۔

ازواج مطہراتؓ گو شرف صحبت کی برکت سے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہو گئی تھیں تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی، خصوصاً جب وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کے راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے چنانچہ ازواج مطہراتؓ نے اپنے مقررہ گذارہ میں اضافہ کی خواہش کی۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے دیکھا بیچ میں آپ ﷺ بیٹھے ہیں ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہیں اور توسیع نفقہ کا تقاضا ہے۔ دونوں نے اپنی اپنی صاحبزادیوں کو سمجھایا بجھایا تو انہوں نے عرض کی کہ آئندہ وہ آنحضرت ﷺ کو مصارف کی تکلیف نہیں دیں گی لیکن دیگر ازواج اپنے مطالبہ پہ قائم رہیں۔

(سیر الصحابیاتؓ، مولانا سعید احمد انصاری)

آنحضرت ﷺ کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپؐ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہراتؓ سے نہ ملیں گے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے اور پہلوئے مبارک میں چوٹ لگی۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے متصل بالا خانہ پہ قیام فرمایا اور تنہا نشینی اختیار کی۔ منافقین نے مشہور کر دیا اور کچھ واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی۔ صحابہ کرامؓ اس خبر سے سخت رنجیدہ ہوئے۔

حضرت عمرؓ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ ایک کھری چار پائی پہ لیٹے ہوئے تھے۔ جسم اطہرؐ پہ بان کے نشان بن گئے تھے۔ فاروق اعظمؓ حضور ﷺ کو اس حال میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! "کیا آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی" فرمایا، "نہیں" حضرت عمرؓ پکار اٹھے، "اللہ اکبر" اور یہ خوشخبری تمام لوگوں کو سنا دی۔ (سیر الصحابیاتؓ)

جب ایلاء کی مدت گذر گئی یعنی ایک مہینہ گذر گیا۔ آپ ﷺ بالا خانے سے اُتر آئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں ایک ایک دن گنتی تھی انتیسویں دن حضور ﷺ بالا خانے سے اُتر آئے اور سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ایک مہینہ کا عہد فرمایا تھا۔ آج انتیس دن ہوئے ہیں۔ فرمایا، "مہینہ کبھی انتیس (۲۹) کا بھی ہوتا ہے۔"

آیت تخییر کی رو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ "اے پیغمبرؐ! اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی طلب گار ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع (دنیوی) عطا کر دوں اور تم کو اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے پیغمبر کو اور عالم آخرت کو تو یقیناً تم میں سے نیک کرداروں (نیک عورتوں) کے لئے اللہ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔" (سورۃ الاحزاب،۲۹)

حضورﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، عائشہؓ! میں تم سے پوچھتا ہوں اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دو تو بہتر ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، "یارسول اللہ! وہ کیا بات ہے؟" حضورﷺ نے سورۃ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی "یارسول اللہﷺ اس میں والدین کے مشورے کی ضرورت نہیں، میں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں۔" حضورﷺ نے جواب پسند فرمایا۔ یہی بات جب دوسری بیویوں سے پوچھی تو انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔

(مسند احمد، صحیح بخاری، صحیح مسلم)

خدمت گزاری: حضرت عائشہؓ گھریلو کام خود انجام دیتی تھیں، خصوصاً حضورﷺ سے متعلق ذمہ داریاں اپنے ہاتھ سے انجام دیتیں کیونکہ آپؓ کو حضور اکرمﷺ سے حد درجہ محبت تھی۔

ایک دن آپؓ کی باری تھی اپنے ہاتھ سے جو پیس کر رسول کریم ﷺ کے لئے روٹی پکائی اور انتظار کرنے لگیں آپﷺ کو آنے میں دیر ہوگئی تو سو گئیں حضورﷺ نے تشریف لا کر جگایا۔

نبی کریمﷺ کو بھی حضرت عائشہؓ بے حد محبوب تھیں۔ آپ ﷺ اکثر دعا فرمایا کرتے "اے اللہ! یوں تو میں سب بیویوں سے برابر سلوک کرتا ہوں مگر میرا دل میرے بس میں نہیں کہ وہ عائشہؓ کو زیادہ محبوب رکھتا ہے، یا اللہ! اسے معاف فرما"۔

حضورﷺ طہارت میں بہت اہتمام فرماتے۔ آپﷺ کی مسواک کو بار بار دھونے کی خدمت حضرت عائشہؓ کے سپرد تھی۔

جب حضورﷺ خانہ کعبہ کا ہدیہ (قربانی کا جانور) بھیجتے تھے تو حضرت عائشہؓ اس کے گلے کا قلادہ بٹتی تھیں۔

ایک دن نبی کریمﷺ کمبل اوڑھ کر مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئے ایک صحابیؓ نے عرض کی کہ "اس پر دھبہ نظر آتا ہے۔" آپﷺ نے غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگایا نچوڑ کر اپنے ہاتھوں سے دھو کر خشک کیا اور کمبل آپﷺ کے پاس بھیج دیا۔

نبی کریمﷺ جب احرام باندھتے، کھولتے تو حضرت عائشہؓ جسم مبارک پر خوشبو لگاتی تھیں۔

ایک دفعہ حضورﷺ رات میں اُٹھ کر تشریف لے گئے، جب حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھلی تو آپﷺ کو نہ پایا، پریشان ہوگئیں اور ادھر ادھر تلاش کرنے لگیں تو آپﷺ کو ایک گوشے میں یادِ الٰہی میں مصروف پایا تو اطمینان ہوا۔ (خواتین اسلام)

آیت تیمم کا نزول: ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہوگیا۔ حضورﷺ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کرامؓ کو روانہ فرمایا۔ راستے میں نماز کا وقت آ گیا اور لوگوں نے بغیر وضو کے نماز ادا کی اور واپس آ کر حضورﷺ سے واقعہ بیان کیا۔ اس وقت آیت تیمم نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حضیرؓ نے اس کو حضرت عائشہؓ کی بڑی فضیلت سمجھا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے ام المومنینؓ! اللہ آپؓ کو جزائے خیر دے آپؓ کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے نکلنے کا راستہ آپؓ کو اللہ نے نہ بتایا ہو۔ اور وہ مسلمانوں کے لئے برکت بن گیا۔"

حج: ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضورﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپﷺ نے فرمایا، "بہترین جہاد حج مبرور ہے۔"

اس کے بعد ان کا کوئی سال حج سے خالی نہ گیا۔ (صحیح بخاری)

حجۃ الوداع میں حضرت عائشہؓ کو نسوانی معذوری ہوگئی۔ حضورﷺ نے دیکھا کہ رو رہی ہیں، فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ میں نے اب تک حج نہ کیا تھا۔ نبی پاکﷺ نے فرمایا، "سبحان اللہ! یہ تو فطری چیز ہے تمام مناسک ادا کرلو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو۔" (ابوداؤد)

بخاری شریف میں یہ واقعہ کچھ اضافے کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ جب حجۃ الوادع میں رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ ہو تو وہ عمرہ کر سکتے ہیں۔ خیمہ میں آکر دیکھا کہ حضرت عائشہؓ رو رہی ہیں وجہ پوچھی تو بولیں، میں ضرورت نسوانی سے مجبور ہوں۔ لوگ تو دو دو فرض (حج وعمرہ) کو ثواب لے جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا۔ فرمایا، "کوئی حرج نہیں، خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائے گا۔" چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے ساتھ روانہ کیا اور مقام تنعیم میں انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔ (بخاری شریف)

پردہ: زمانہ جاہلیت میں عرب عورتیں نہایت بے پروائی کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی تھیں کہ سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن (سورۃ النور،۳۱) ترجمہ: "اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں۔" تو عورتوں نے متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر اپنے آپ کو سیاہ چادروں میں یوں لپیٹ لیا کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر کوؤں کے آشیانے ہیں۔ (ابوداؤد)

حضرت عائشہؓ اپنے رضاعی بھائی اور چچا سے حضور ﷺ کی اجازت کے ساتھ ملتی تھیں۔

ایک دفعہ ایک نابینا صحابی ابن مکتومؓ نے حاضری کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو پردہ کا حکم فرمایا، انہوں نے عرض کی کہ "وہ تو نابینا ہیں" تو آپؐ نے فرمایا، "لیکن تم تو نابینا نہیں ہو۔" نیز حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "جب ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر کرتیں تو اپنے چہرے کھول دیتیں، جب سامنے سے کوئی سوار آتا تو اپنے چہرے ڈھانپ لیتیں۔"

باہم محبت، اعتماد، خودداری اور محاسبہ کا سلوک:

آنحضرت ﷺ نے تمام ازواج کے ساتھ محبت اعتماد، خودداری اور غلطی پہ محاسبہ جو تنبیہ کی حد سے آگے نہ بڑھا، کا سلوک روا رکھا۔

محبت: حضرت عائشہؓ سے متعلق جو تفصیلات ملتی ہیں چند ایک بیان کی جاتی ہیں۔

زاد المعاد میں علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں تو آپ ﷺ ان کو کھیلنے دیتے اور اگر حضرت عائشہؓ کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو ان کی یہ خواہش پوری فرما دیتے۔ وہ جس برتن سے پانی پیتیں آپ ﷺ بھی اس برتن سے ان کے منہ لگانے کی جگہ سے منہ لگا کر پانی پی لیتے۔ حتیٰ کہ جس ہڈی کو وہ چوستیں اس ہڈی کو آپ ﷺ بھی لے کر چوستے۔ ایک مرتبہ عید کا دن تھا اور حبشہ کے چند باشندے مسجد نبویؐ میں کرتب دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو سرکار دو عالم ﷺ دروازے میں کھڑے ہو گئے اور ام المومنینؓ دوش مبارک پہ ٹھوڑی رکھ کر تماشہ دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں۔ (ایک اور جگہ تفصیل یوں ہے) دریافت فرمایا، "کیوں حمیرا جی نہیں بھرا؟" حبیبہ رسول ﷺ نے بے تکلف انکار فرما دیا "ابھی نہیں بھرا"؟ چنانچہ آپ ﷺ یونہی کھڑے رہے یہاں تک کہ وہ خود تھک کر ہٹ گئیں۔

دو مرتبہ آپ ﷺ سفر پہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑے بھی۔ (زاد المعاد) شادی کے چند دن بعد آنحضرت ﷺ کی تحریک پہ دونوں میں دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ حضرت عائشہؓ پھریرے بدن کی تھیں آگے نکل گئیں۔ پھر بہت عرصے بعد جب سید عائشہؓ کا عمر کے ساتھ بدن بھاری پڑ گیا تھا۔ ایک بار پھر دوڑ ہوئی اب کے میدان حضور ﷺ کے ہاتھ رہا تو حضور ﷺ نے پہلا مقابلہ یاد دلا کر فرمایا، "آج اس دن کا بدلہ ہو گیا"۔

اعتماد اور خودداری: حضور ﷺ کی ازواج کو بتقاضائے بشریت کبھی کبھی عارضی شکوہ بھی ہو جایا کرتا۔ ایک بار حضورؐ نے فرمایا، "تم جب مجھ سے برہم ہوتی ہو تو میں سمجھ جاتا ہوں۔" جنابہ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی، "وہ

کیسے؟" فرمایا، "تم جب مجھ سے خوش رہتی ہو تو کسی بات پہ قسم کھاتے ہوئے کہتی ہو محمد ﷺ کے خدا کی قسم اور جب ناخوش ہوتی ہو تو کہتی ہو ابراہیم کے خدا کی قسم!" انہوں نے عرض کی۔ جی ہاں یارسول اللہ ﷺ! (میں ناخوشی میں) صرف آپ ﷺ کا نام چھوڑ دیتی ہوں ۔(سیارہ ڈائجسٹ، رسولؐ نمبر)

ایک بار آنحضرت ﷺ سیدہ عائشہؓ سے مصروف کلام تھے کسی نجی مسئلے پہ گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں ترشی تھی اور لہجہ بھی بلند ہو گیا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ آ نکلے، انہیں سخت ناگوار معلوم ہوا۔ گرجے "تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے آواز بلند کرتی ہو؟" اور طیش میں مارنے کو ہاتھ بھی بلند کر دیا۔ لیکن حلیم الطبع سرکار دو عالم ﷺ بیچ میں حائل ہو گئے۔ غضب پہ ادب غالب ہوا اور صدیق اکبرؓ لوٹ گئے۔ مصنف عبدالواحد درانی لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہوگا "کیوں حمیرا! آج تو میں نے بچا لیا ورنہ ابا جان اچھی خبر لیتے۔" اور وہ ہنس دی ہوں گی۔

چند دن بعد صدیق اکبرؓ پھر کاشانہ نبویؐ پہ حاضر ہوئے تو آج رنگ دوسرا تھا۔ حسب معمول خوش دلی کی حالت میں تھے۔ جناب صدیقؓ نے عرض کی، "میں جنگ میں کود پڑا تھا، اب صلح میں بھی شریک کر لیجیے۔" حضور ﷺ مسکرا اٹھے اور فرمایا، ہاں، ہاں ضرور۔

(سیارہ ڈائجسٹ، رسولؐ نمبر)

محاسبہ: اعتماد و محبت کے باوجود حضور ﷺ اہل بیت کے محاسبہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے زیادہ آپ ﷺ کو کوئی محبوب نہ تھا لیکن ایک دفعہ ان کے منہ سے حضرت صفیہؓ سے متعلق کوئی ناپسندیدہ بات نکل گئی۔

آپ ﷺ نے فوراً تنبیہ فرمائی، "عائشہؓ تم نے ایسی بات زبان سے نکال دی کہ اگر سمندر میں بھی ملا دی جائے تو اس کی کڑواہٹ کو بھی تلخ کر دے"۔

کیونکہ آپ ﷺ کی محبت کوئی مادی قسم کی محبت نہ تھی۔ ذاتی امور پہ باز پرس نہیں فرماتے تھے لیکن دین کے معاملے میں کوتاہی پہ ضرور سرزنش فرماتے تھے۔

(سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر)

اس کی مثال ہمیں ایلاء اور تخییر کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔

حضور ﷺ کا وصال مبارک: ربیع الاول ۱۱ھ میں حضور ﷺ نے وفات پائی۔ ۱۲-۱۳ دن علیل رہے جن میں سے ۸ دن حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں اقامت فرمائی۔ خلق عظیم کی بنا پر ازواج مطہراتؓ سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ "کل میں کس کے گھر رہوں گا؟" دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام فرمانے کا تھا۔ ازواج مطہراتؓ نے مرضی مبارک سمجھتے ہوئے عرض کی "جہاں آپ ﷺ چاہیں، قیام فرمائیں۔" ضعف اس قدر زیادہ ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازوؤں سے تھام کر بمشکل حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں لائے۔

وفات سے پانچ روز پہلے آپ ﷺ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔ فرمایا، "وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد اللہ سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو اللہ کی راہ میں خیرات کر دو۔"

(مسند ابن حنبل)

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا۔ لیکن جیسے جیسے دن چڑھتا جاتا تھا آپؐ پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ، "پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں۔"

(جاری ہے)

قرآن و حدیث کی روشنی میں زیتون کے فوائد

جب کہ پہلی کھیپ وصول کرنے کے بعد پھوک پر گرم پانی ڈال کر دوبارہ، سہ بارہ کولھو میں ڈالا جاتا ہے۔ بعد میں پانی کو تیل سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ پہلی کھیپ کے تیل کا رنگ سنہری اور اس میں ہلکی سی خوشبو ہوتی ہے۔ یہ تیل مدتوں خراب نہیں ہوتا۔ اگر اسے کھلا رہنے دیا جائے یا اس میں پانی پڑ جائے تو اس صورت میں اس کے اندر پھپھوندی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری تیسری کھیپ کے تیلوں کا رنگ سبزی مائل اور پہلی گھانی سے گاڑھا ہوتا ہے۔

زیتون کی ایسی اقسام بھی ہیں جن سے وزن کے حساب سے ستر فیصد تک تیل حاصل ہو سکتا ہے۔

محدثین کے مشاہدات

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مہمان آیا۔ انہوں نے رات کے کھانے میں اسے اونٹ کی سری اور زیتون کا تیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ تمہیں اس لئے کھلا رہا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مبارک درخت قرار دیا ہے۔

قرآن مجید نے اس تیل کو جو اہمیت دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعریف فرمائی اس کے بعد لوگوں نے اسے متبرک تو قرار دیا مگر یہ کوشش نہیں کی کہ انہوں ﷺ نے جن ستر فوائد کا تذکرہ فرمایا معلوم کریں کہ وہ کیا ہیں۔ انہوں ﷺ نے خود ان میں سے پانچ کا ذکر فرما دیا۔ بواسیر، باسور، جلدی امراض، پلورسی اور کوڑھ۔ مگر اس کے بعد اس پر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا۔

ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سرخ زیتون کا تیل سیاہی مائل سے بہتر ہوتا ہے۔ یہ طبیعت کو بحال کرتا ہے، چہرے کے رنگ کو نکھارتا ہے، زہروں کے خلاف تحفظ دیتا ہے، پیٹ کے فعل کو اعتدال پر لاتا ہے، پیٹ کے کیڑے نکالتا ہے، بالوں کو چمکاتا اور بڑھاپے کی تکلیف اور اثرات کو کم کرتا ہے۔ زیتون کے تیل میں نمک ملا کر اگر مسوڑھوں پر ملا جائے تو یہ ان کو تقویت دیتا ہے۔ یہی نمکین مرکب آگ سے جلے ہوئے کے لئے مفید ہے۔ تیل یا زیتون کے پتوں کا پانی لگانے سے سرخی مائل چپٹی پھنسیوں اور خارش میں فائدہ ہوتا ہے۔ وہ پھوڑے جن سے بدبو آتی ہو یا پرانی سوزش کی وجہ سے ٹھیک ہونے میں نہ آتے ہوں، زیتون کے تیل سے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

ذہبی رحمہ اللہ کی تحقیقات کے مطابق زیتون کا تیل بالوں اور جسم کو مضبوط کر کے بڑھاپے کے آثار کم کرتا ہے۔ کسی بھی چکنائی اور تیل کے پینے سے پیٹ خراب ہوتا ہے مگر زیتون کا تیل اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ تیل ہونے کے باوجود پیٹ کی بیماریوں کے لئے مصلح ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ زیتون کا تیل غربا کے لئے بہترین ٹانک ہے۔ مگر زیتون کا وہ تیل جو سبز اور سنہری مائل ہو وہی زیادہ مفید ہے۔ سیاہی مائل رنگ کا تیل بے کار اور مضر صحت ہے۔ صحیح تیل مقوی باہ، مقوی معدہ اور سینے کی بیماریوں سے تحفظ مہیا کرتا ہے۔ زیتون کا نمکین تیل آگ سے ہونے والے زخموں کے لیے اکسیر ہے۔

زیتون کے درخت کے پتوں کا رس نکال کر یا خشک ملیں تو ان

کو پانی میں ابال کران سے کلیاں کرنا منہ اور زبان کے زخموں کو مندمل کر دیتا ہے۔ زیتون کے پتوں کا عرق لگانے سے حساسیت سے پیدا ہونے والے جلدی امراض ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

ان مشاہدات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کام کرنے والے دو عظیم محققوں نے اپنی کوشش سے زیتون کے جو فوائد معلوم کئے ہیں وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ دونوں متفق ہیں کہ تیل مقوی امراضِ جلد میں شفا اور مقامی طور پر آگ سے جلنے کے علاوہ پیٹ کی بیماریوں کا مکمل علاج ہے۔

اطباء قدیم کے مشاہدات:

زیتون کا پھل:

زیتون کا پھل اور پتوں کا رس نچوڑ کر اسے اتنی دیر پکائیں کہ وہ شہد کی مانند گاڑھا ہو جائے۔ اسے کیڑے والے دانت پر لگائیں تو کیڑا اکھڑ جاتا ہے۔ اگر اس سے کلیاں کریں تو منہ کے اندر کے زخم اور سفید داغ ٹھیک ہو جاتے ہیں، مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔ اس میں سر کہ یا سپرٹ ملا کر سر پر لیپ کریں تو گنج اور داء الثعلب (بالخورہ، بالوں کا گرنا) میں مفید ہے۔ اس لیپ سے پھنسیوں اور چیچک کے داغ دور ہو جاتے ہیں۔ اس کی گٹھلی کو پیس کر اور چربی میں حل کر کے لگانے سے ناخنوں کا مرض ٹھیک ہو جاتا ہے۔

زیتون کا اچار بھوک بڑھاتا ہے۔ زیادہ مقدار میں قبض کشا ہے۔

زیتون کے پتوں کو گھونٹ کر لگانے سے پسینہ کی شدت میں کمی آجاتی ہے۔ ان پتوں کا ضماد، خراب اور گندے زخموں پر لگانے سے ان کی بدبو دور کر کے جلد ٹھیک کر دیتا ہے۔ جنگلی زیتون کے پتوں کا رس کان میں ڈالنے سے کان بہنے بند ہو جاتے ہیں اگر اس میں شہد ملا کر گرم ٹپکائیں تو کان کی پھنسی، میل کی زیادتی اور اس سے پیدا ہونے والے بہرہ پن میں مفید ہے۔ پتوں کو سرکہ میں جوش دے کر کلیاں کرنے سے دانتوں کا درد جاتا رہتا ہے۔ زیتون کی لکڑی کو آگ لگا کر جلائیں تو اس سے نکلنے والا تیل پھپھوندی سے پیدا ہونے والی تمام جلدی بیماریوں، داد، چھیپ، چنبل، سر کا بفہ اور گنج کو ٹھیک کر دیتا ہے۔

زیتون کا تیل:

جب تازہ پکے ہوئے پھل کو دبا کر نچوڑا جائے تو حاصل ہونے والا تیل 'زیت عذب' کہلاتا ہے۔ یہ سنہری رنگ کا ہوتا ہے۔ جب یہ چھ برس پرانا ہو جائے تو 'زیت العتیق' ہے۔ جو خام پھلوں سے نکالا جائے وہ 'زیت الانفاق' ہے۔ اسے 'زیت الرکابی' بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ فلسطین اور شام سے اونٹوں پر لاد کر عراق میں لایا جاتا تھا۔ بوعلی سینا کہتا ہے کہ زیتون کا تیل جب پرانا ہو جائے تو اس کی طبیعت روغنِ شیریں کی طرح ہو جاتی ہے ورنہ اس قسم کے فوائد حاصل کرنے کے لئے نئے تیل کو اتنا پکائیں کہ وہ شہد کی مانند گاڑھا ہو جائے۔ یہ تیل اپنے اوصاف کے لحاظ سے روغن کلونجی اور روغن بلسان سے بھی انہی فوائد میں بہتر ہے۔ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زیتون کا تیل چار ہزار سال پرانا بھی ہو جائے تو بھی مفید رہتا ہے۔

جو لوگ باقاعدگی سے یہ تیل سر پر لگاتے ہیں نہ تو ان کے بال گرتے ہیں اور نہ جلد سفید ہوتے ہیں۔ اس کی مالش سے داد اور بھوسی زائل ہو جاتے ہیں۔ کان میں پانی پڑا ہو تو زیتون کا تیل ڈالنے سے یہ پانی نکل جاتا ہے۔ اطباء نے لکھا ہے کہ اس کی سلائی باقاعدہ آنکھ میں لگانے سے آنکھ کی سرخی کٹ جاتی ہے اور موتیا بند کو کم کرنے میں مفید ہے۔

زیتون کے تیل کی مالش کرنے سے اعضاء کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ پٹھوں کا درد جاتا رہتا ہے۔ بعض طبیب اس کی مالش کو مرگی کے لئے بھی مفید قرار دیتے ہیں۔ وجع المفاصل اور عرق النساء کو دور کرتا ہے۔ چہرے کو بشاشت دیتا ہے۔ اسے مرہم میں شامل کرنے سے زخم بہت جلد بھرتے ہیں۔ ناسور کو مندمل کرنے میں کوئی دوائی زیتون سے

بہتر نہیں۔

اکیس تولہ جو کے پانی میں روغنِ زیتون ملا کر پینے سے پرانی قبض جاتی رہتی ہے۔ تیل پینے سے معدہ اور آنتوں کے اکثر امراض جاتے رہتے ہیں۔ پیچش میں مفید ہے، پیٹ کے کیڑے مار دیتا ہے، گردہ کی پتھری کو توڑ کر نکال سکتا ہے، استسقاء میں مفید ہے، جسمانی کمزوری کو رفع کرتا ہے پیشاب آور ہے۔

عام طور پر تیزابی زہروں کے علاج میں قلوی ادویہ دی جاتی ہیں۔ جبکہ قلوی زہروں کا اثر زائل کرنے لئے تیزابی دوائیں استعمال ہوتی ہیں۔ اس لئے زہروں کے فوری علاج میں اگر زہر سے واقفیت نہ بھی ہو اکثر اوقات دودھ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر زیتون کا تیل وہ منفرد دوائی ہے جو ہر قسم کے زہروں کے اثر کو زائل کرنے کے ساتھ ساتھ آنتوں پر ان کے مضر اثرات کو ختم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سنکھیا کی زہر خورانی میں اندرونی علامات سے قطع نظر خرابی کا اصل ذریعہ معدہ اور آنتوں میں سوزش ہے۔ سنکھیا کھانے کے فوراً بعد آنتوں میں خراش کی وجہ سے اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دستوں کے ساتھ خون آنے لگتا ہے۔ خون کے بعد آنتوں میں زخم اور سوراخ ہو جاتے ہیں۔ اندرونی اثرات کے علاوہ اتنا کچھ ہی موت کا باعث ہو سکتا ہے۔ اگر ان حالات میں مریض کو زیتون کا تیل بار بار پلایا جائے تو وہ آنتوں کے زخموں کو مندمل کر دیتا ہے۔ آنتوں کی خراش کو ختم کرتا ہے۔ اس عمل میں اس کے ساتھ لعاب بہی دانہ بھی شامل کر لیا جائے تو فوائد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اس کے یہ لا جواب اثرات صرف سنکھیا کی زہر خورانی ہی میں مفید نہیں بلکہ ہر اس زہر کا توڑ ہیں جو تیز جلانے والی اور آنتوں یا گردوں میں زخم پیدا کرتی ہو جیسے کہ کنتھارائیڈس Cantharides (تلنی مکھی کا جوہر)

اطباء نے اسے مرارہ (پتہ) کی پتھری میں بھی مفید قرار دیا ہے۔ پتہ کی سوزش اور پتھری کے مریضوں کو بنیادی طور پر چکنائی سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔ مگر روغنِ زیتون ان کے لئے بھی مفید ہے بلکہ پرانے استادوں نے مریضوں کو ڈیڑھ پاؤ تک تیل روزانہ پلا کر صفراوی نالیوں سے سدے نکالنے کا کام لیا بعض اوقات اسی عمل کے دوران پتھریاں بھی نکل جاتی ہیں۔

جدید مشاہدات:

برطانیہ اور امریکہ کی ادویہ کی سرکاری فہرست یعنی (فارماکوپیا) اور قرابادین کے مطابق یہ ایک موثر دوائی ہے۔ ان کی سفارش کے مطابق یہ غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ گردوں کے امراض میں جہاں نائٹروجن والی غذائیں دینا مناسب نہیں ہوتا وہاں زیتون بہترین غذا ہے۔ اور جب بچوں میں کئی دن اجابت نہ ہو تو اس کا تیل حقنہ (انیما) کرنا آنتوں کو نرم کرنے کے ساتھ فضلہ کو تکلیف کے بغیر نکال دیتا ہے۔ اس عمل میں یہ گلیسرین سے زیادہ مفید اور مؤثر ہے۔

زیتون کا پھل کسیلا ہوتا ہے۔ پھل کا اچار بنانے کے لئے پکے ہوئے زیتون لے کر ان کو گرم نمکین پانی میں کچھ دیر بھگویا جاتا ہے۔ بعض کارخانے اس میں چونا اور راکھ بھی ملا دیتے ہیں۔ پھر تیز نمک والے خوشبودار پانی میں انہیں بوتلوں میں بند کر کے روانہ کر دیتے ہیں۔

بھارتی ماہرین طب نے اسے فالج، عرق النساء (چھوٹے جوڑوں کا درد)، پٹھوں اور جوڑوں کے دردوں اور کمزوری سے پیدا ہونے والے دوسرے امراض میں از حد مفید پایا ہے۔ وہ اس تیل کو کھانے اور لگانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ بدن کی خشکی کو دور کرنے، جلدی امراض مثلاً چنبل، خشک گنج میں مفید ہے۔ لاغر بچوں اور ضعیف اشخاص کو تیل کی مالش سے فائدہ ہوتا ہے۔ امراضِ بطن (پیٹ کے امراض) میں یہ تیل ہر قسم کی خراش کو دور کرتا ہے۔ التہاب معدہ اور اثنا عشری (معدہ کی سوجن اور آنتوں کے امراض) میں مفید ہے۔ ۲۵ گرام روزانہ کھانے سے پرانی قبض جاتی رہتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیتون کو باسور کے لئے مفید قرار دیا

ہے۔اس بیماری کے لئے مریضوں کو رات سوتے وقت دو بڑے چمچے روغن زیتون کو پینے کو کہا گیا۔اور اس کے ساتھ دو چمچے برگ مہندی کو پیس کر اس میں آٹھ چمچے روغنِ زیتون ملا کر پانچ منٹ جوش دے کر مرہم تیار کر لی گئی۔ باسور کہنہ (مقعد کے پرانے زخم) کے مریضوں کو یہ مرہم رات سونے سے پہلے اور صبح اٹھ کر بیت الخلاء جانے سے پہلے لگانے کی ہدایت کی گئی۔ اکثر مریضوں میں اس کے علاوہ اور کوئی دوائی دینے کی ضرورت نہ پڑی۔ جن کے زخم زیادہ جسمانی حالت کمزور تھی ان کو تین سے چار گرام قُسطِ شیریں کھانے کے بعد دی گئی۔ تین سے چار ماہ میں مکمل شفاء ہوگئی۔ مگر آئندہ کے لئے تیل کا پینا اور قبض سے محتاط رہنا ضروری قرار دیا گیا۔

بالوں کو اگانے کے لئے کلونجی، حب الرشاد، سنائکی، مہندی کو ہم وزن پیس کر چھ گنا روغنِ زیتون میں ملا کر پندرہ منٹ ہلکی آنچ پر پکایا گیا۔ پھر اسے چھان کر تیل کی صورت جب مسلسل لگایا گیا تو اس سے بال بڑھنے کی رفتار بہتر ہوگئی، سر کی پھنسیاں ٹھیک ہوگئیں۔ یہی تیل اگیزیما اور بغلوں کی خارش میں مفید ثابت ہوا۔ چنبل ایک ایسی بیماری ہے جس کا کوئی بھی سبب معلوم نہیں۔ طب جدید میں اس کے مقامی علاج کے لئے CRYSAROSINICTHYOL اور CORTISONE کے مرکبات استعمال ہوتے ہیں۔ مگر ان کوششوں کے باوجود زخموں کے چمکدار چھلکے آسانی سے اترنے میں نہیں آتے۔ اس بیماری میں قسطِ شیریں سنائکی اور مہندی کو ہم وزن پیس کر چار گنا روغنِ زیتون میں پکانے کے بعد لگایا گیا۔ چھلکا اتارنے میں یہ نسخہ CORTISONE کے کسی بھی مرکب سے زیادہ مفید رہا۔ ایک ڈاکٹر کے ہاتھ کی الٹی طرف پر زخم تھا۔ ماہرین جلد نے اسے CHRONIC INFECTIVE ECZEMA تشخیص کیا۔ مقامی طور پر رنگ برنگی مرہموں کے ساتھ اسے جراثیم کش ادویہ افسوسناک مقدار میں دی جاتی رہیں۔ مسلسل علاج سے مرض کی شدت میں کمی آ جاتی رہی۔ مگر دیکھنے میں وہ یوں لگتا تھا جیسے سورج مکھی کا سرخ پھول ہاتھ کے اوپر رکھ دیا گیا ہے۔ اس مریض کو قُسطِ شیریں اور کلونجی زیتون کے تیل میں جلا کر ایک ماہ لگائی گئی۔ اندرونی استعمال کی کسی بھی دوائی کے بغیر اگیزیما ٹھیک ہوگیا۔

بوعلی سینا نے زریرہ (باچھ) اور عرق گلاب کو جلے ہوئے کا بہترین علاج قرار دیا ہے۔ اس باچھ کو جب زیتون کے تیل میں حل کر کے ابال کر جلے ہوئے زخموں پر لگایا گیا تو فائدہ زیادہ بہتر رہا۔ چونکہ باچھ مقامی طور پر خراش پیدا کرتی ہے اس لئے ایک چمچہ باچھ کے ساتھ زیتون کے پندرہ بیس چمچے استعمال کئے گئے۔

امراضِ بطن:

جاپان کے بعض طبی جرائد نے آنتوں کے سرطان میں روغنِ زیتون کو مفید قرار دیا ہے مگر وہ اپنے اس بیان میں واضح نہ تھے۔ اس ضمن میں مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں طبی خدمت بجالانے والے سینکڑوں ڈاکٹروں سے معلومات حاصل کی گئیں۔ ان سب کا متفقہ جواب یہ تھا کہ انہوں نے زیتون کا تیل پینے والے کسی شخص کو کبھی پیٹ کے سرطان میں مبتلا نہیں دیکھا۔ جاپانی ماہرین کا خیال ہے کہ لمبے عرصے تک زیتون کا تیل پینے سے معدہ اور آنتوں کے سرطان ٹھیک ہو سکتے ہیں۔

معدہ اور آنتوں میں زخم کے مریضوں کو ایسے اوقات میں زیتون کا تیل دیا جب ان کا پیٹ خالی تھا۔ عام طور پر ۱۱ بجے دن اور رات سونے سے پہلے کے اوقات کو اس خوراک کے لئے منتخب کیا گیا۔ ۱۰ سے ۲۰ گرام تیل کی ایک خوراک سے قرح (زخم) کی جلن تین سے چار دن میں جاتی رہی۔ دس روز کے بعد کسی بھی مریض کو کوئی تکلیف باقی نہ رہی۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے استفادہ کرتے ہوئے ایسے مریضوں کو نہار منہ اور عصر کے وقت شہد کی ایک معقول مقدار بھی دی گئی۔ کیونکہ آنتوں کی سوزش میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اکسیر قرار دیا ہے۔ مریضوں کی کمزوری اور علامات

چند دنوں میں ختم ہو گئے۔ اکثر لوگوں کی آنتوں میں اضافی سوزش بھی تھی جس کے لئے دافع عفونت مرکب کلونجی دیا گیا۔ کلونجی نے پیٹ سے غلیظ ریاح کو فوراً نکال دیا۔ جب کبھی موسم ہوا اس کے ساتھ سفرجل (بہی کا مربہ) دیا گیا۔ یہ مربہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ کی تجویز کے مطابق شہد میں بنایا گیا تھا۔ اکثر مریضوں کو نہار منہ مربہ کے چند قتلوں اور دن میں زیتون کے تیل کے علاوہ اور کوئی دوائی نہ دی گئی۔ دو ماہ کے بعد معدہ کے برقی معائنہ GASTROSCOPY کے بعد زخم مندمل پایا گیا۔

احتیاطی طور پر ہر مریض کو چھ چھ ماہ مزید تیل پینے کی ہدایت کی گئی۔ اللہ کے فضل سے یہ علاج کبھی بھی ناکام نہیں ہوا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں جدید علاج اگر مفید ہو تو چالیس روپے روزانہ کا خرچہ ہے۔ پھر اس کی افادیت بھی مشتبہ ہے اور اس کا عرصہ علاج ایک سال سے کم نہیں۔

تبخیر معدہ اور پیٹ کی جلن کے لئے زیتون کے تیل سے بہتر کوئی دوا نہیں۔

امراضِ تنفس:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الجنب میں زیتون کا تیل ارشاد فرمایا۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر سانس کی ہر بیماری کے مبتلا کو زیتون کا تیل ضرور دیا گیا۔ دمہ کے مریضوں کی بیماری میں جب کمی آ جائے تو آئندہ اس قسم کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے زیتون کے تیل سے بہتر کوئی دوائی میسر نہ آ سکی۔

انفلوئنزا اور زکام کا طب جدید میں کوئی علاج نہیں۔ وہ لوگ جو باقاعدہ زیتون کا تیل پیتے ہیں۔ ان کو نہ تو زکام ہوتا ہے اور نہ ہی نمونیہ ہوتا ہے۔ اگر ان کو کبھی انفلوئنزا ہو بھی جائے تو اس کا حملہ بڑا معمولی ہوتا ہے۔ زکام اور دمہ کے دوران اضافی فائدے کے لئے ابلتے ہوئے پانی میں شہد بھی مفید ہے۔

تپ دق:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں روایات میں ذات الجنب میں زیتون کا تیل تجویز ہوا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں زیتون کا تیل جذام میں مفید ہے۔ علم الجراثیم اور علم الامراض کے اعتبار سے کوڑھ اور تپ دق کی نوعیت ایک ہے۔ دونوں کے جراثیم ACID FAST ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ادویہ جو تپ دق پر مؤثر ہوتی ہیں وہ جذام میں بھی مفید ہوتی ہیں اور اس کے برعکس بھی درست ہے۔ اس لئے تپ دق کے مریضوں کو اس نسخہ کے مطابق قسط اور زیتون دینے کا خیال پیدا ہوا۔

زکام۔نکسیر:

طب جدید میں زکام کا کوئی شافی علاج نہیں۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے زکام کے علاج میں قسط البحری کو مفید قرار دیا ہے۔ ذہبی کے مشاہدہ میں قسط کو سونگھنا بھی زکام میں مفید ہے۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق مرزنجوش سونگھنے سے زکام ٹھیک ہو جاتا ہے۔ پرانے زکام میں یا ان مریضوں کو جن کو بار بار زکام ہو جاتا ہے، زیتون کا تیل آئندہ کے لئے محفوظ کر دیتا ہے۔ بخاری اور ابن ماجہ میں خالد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کے مطابق ایک چمچ کلونجی کو پیس کر بارہ چمچ زیتون کے تیل میں حل کر کے اس مرکب کو پانچ منٹ ابالنے کے بعد چھان لیا گیا۔ صبح شام ناک میں ڈالنے سے نہ صرف یہ کہ پرانا زکام ٹھیک ہوا بلکہ نکسیر میں بھی از حد مفید رہا۔

ضرورت رشتہ

ہماری بیٹی، ایم فل مائیکرو بائیولوجی سائنس، پنجاب یونیورسٹی، خوبصورت، دراز قد، سلیقہ شعار، عمر 22 سال کیلئے برسرروزگار تعلیم یافتہ رشتہ درکار ہے۔ سلسلہ عالیہ سے منسلک اشخاص یا سنی سادات فیملی کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ

0333-4409906 / 0334-6440662

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور ان کے جواب

سنن عادیہ کی صورتیں

13-06-2012

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَo

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

جواب: سنت کے دو حصے ہیں سنت عبادت اور سنن عادیہ۔ سنن عادیہ پر ضروری نہیں کہ بعینہٖ عمل کیا جائے۔ اگر ہو سکے تو وہ نور علیٰ نور ہے اور نہ ہو سکے تو گناہ نہیں۔ سنن عادیہ پر اگر عمل کیا جائے تو نور علیٰ نور ہے۔ لیکن اگر وقتی حالات کے تقاضے سے یا کسی وجہ سے نہ ہو سکے۔ جیسے اُس وقت ہر کوئی تہبند باندھتا تھا لیکن اب ہر کوئی شلوار پہنتا ہے۔ اور تہبند عام دیہاتوں یا عام آدمیوں کا پہناوہ رہ گیا ہے۔ اُس وقت تو شاید بڑے بڑے جرنیلوں کا لباس تہبند ہی تھا۔ تو وقت کے ساتھ سنن عادیہ جو ہیں، ان کے ذرائع بدلتے رہتے ہیں۔ سنت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ تو بہت سے چیزیں سنن عادیہ میں ہیں لیکن جہاں تک مسواک کا تعلق ہے یہ سنن عادیہ میں نہیں ہے۔ یہ سنت عبادت ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکار اسے ہر نماز کی سنت قرار دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو یہ عام سنت ہے لیکن وہ اسے ہر نماز کی سنت کہتے ہیں۔ جب وضو کرتے ہیں تو سنت ہے کہ مسواک کریں اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ لکڑی سے مسواک کریں۔ اگر انگلی سے بھی کر لیا تو سنت ادا ہو گئی۔ برش سے کر لیا سنت ادا ہو گئی۔ ٹوتھ پیسٹ سے کر لیا تو سنت ادا ہو گئی۔ صرف انگلی اچھی طرح سے پھیر لی تو بھی سنت ادا ہو گئی۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ لکڑی کا مسواک ہو۔ یہ بھی تشدد ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ مساجد کی دیواریں مسواکوں سے بھری ہوتی ہیں۔ لوگوں کی جیبیں مسواکوں سے بھری ہوتی ہیں۔ یہ شدت ہے یہ نہیں چاہیے اور یہ سنن عادیہ نہیں ہے یہ عبادت کا حصہ ہے۔ ہم حنفیوں کے ہاں خون نکل آئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن امام مالک کے ہاں اگر مسواک کرتے ہوئے مسوڑھوں سے خون آ جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تو ان کے پیروکار باوضو بھی ہوں تو نماز پڑھنے سے پہلے مسواک کرتے ہیں۔ کیونکہ اسے وہ نماز کی سنت سمجھتے ہیں بات مسواک میں نہیں ہے۔ ہاں اس کی صورت بدلتی رہتی ہے اور وہ صورتیں درست ہیں مقصد صرف دانتوں کو صاف کرنا ہے۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ ضرور لکڑی کی مسواک ہو۔ اگر لکڑی کی مسواک ہو تو بہت اچھی بات ہے کیونکہ وہ آج بھی اتنی ہی مفید ہے جتنی اس زمانے میں تھی۔ آپ کیکر کی مسواک بناتے ہیں، پھلاہی کی مسواک بناتے ہیں، وہ جو جڑی آتی ہے جس کی مسواک بناتے ہیں، تو اس کا اپنا ایک اثر ہے جو دانتوں اور مسوڑھوں کے لئے مفید ہے۔ سنت بھی ہے مفید بھی۔ آج بھی وہ اتنی ہی مفید ہے جتنی اس زمانے میں تھی۔ بعض چیزیں تبدیل ہو گئیں جیسے نعلین مبارک کی آپ نے بات کی۔ لیکن آپ عرب میں دیکھیں گے آج بھی اکثریت چپل پہنتی ہے۔ اس وقت نعلین مبارک کی صورت تھی۔ عرب میں آج بھی بڑے بڑے آفیسر سے لے کر عام عرب تک چپل پہنتے ہیں۔ چیزیں بدلتی رہتی ہیں۔ اس لئے کہیں چپل کی جگہ بوٹ استعمال ہونے لگے کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ سنن عادیہ میں سے ہے۔ اس کا عبادت سے تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح سے اور بہت سی چیزیں ہیں۔ جس طرح حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ داہنی کروٹ

لیتا ہے۔ عادت مبارک تھی کہ حضور ﷺ سونے سے پہلے کنگھی مبارک فرماتے تھے۔ تو ایک ساتھی نے مضمون لکھا تھا کہ حضور ﷺ ہر تیسرے دن کنگھی فرماتے تھے لیکن پتہ نہیں یہ روایت انہوں نے کہاں سے لی۔ عادت مبارک یہ تھی کہ آپ ﷺ سونے سے پہلے بالوں کو کنگھی کرتے تھے۔ ریش مبارک کو بھی کرتے تھے۔ تو اب اگر کوئی کرتا ہے تو سنن عادیہ ہے اس کا ثواب ملتا ہے۔ نہیں کرتا تو سنن عادیہ پر عمل نہ ہو سکے تو گناہ نہیں ہوتا۔

جو سنتیں عبادت کا حصہ ہیں ان کا ترک گناہ ہے۔ جیسے نماز کے ساتھ سنت موکدہ ہیں۔ اب اس میں غیر موکدہ بھی ہیں۔ تو غیر موکدہ وہ ہیں جس پر کبھی حضور ﷺ نے عمل فرمایا کبھی اسے چھوڑ دیا۔ یعنی اس کی تاکید نہیں ہے بندہ اگر کبھی پڑھ لیتا ہے جیسے عصر کے فرض سے پہلے چار سنتیں پڑھ لیتا ہے تو ٹھیک ہے۔ نہیں پڑھتا ٹھیک ہے۔ لیکن اگر پانچوں نمازوں کی کوئی سنت موکدہ چھوڑتا ہے اور بلا عذر شرعی چھوڑتا ہے تو یہ درست نہیں۔ بغیر عذر شرعی نہ چھوڑے۔ اور عذر شرعی یہ ہے کہ وہ بیمار ہو یا اسی طرح کا جائز عذر ہو۔

اسی طرح لباس میں ایک شرط ہے۔ سب سے پہلی شرط تو ستر عورت ہے کہ وجود کے وہ حصے جن کا ظاہر کرنا یا دکھانا جائز نہیں ہے وہ پوری طرح سے ڈھانپے ہوئے ہوں۔ اور اس طرح سے ڈھانپے ہوں کہ ان کے آثار بھی کپڑے سے نمایاں نہ ہوں۔ آج کل ہمارے ہاں خواتین میں جو رواج ہے کہ وہ ایسا چست لباس پہن لیتی ہیں جس سے جسم کے نشیب و فراز نظر آتے ہیں تو وہ بے لباس ہونے کے برابر ہے۔ اسے لباس تصور نہیں کیا جائے گا۔ ایسا لباس جو ستر عورت ہو۔ اس کے بعد اگر کوئی خوشنما لباس پہنتا ہے اور حلال جائز پیسوں سے خریدتا ہے اللہ نے اُسے حیثیت دی ہے تو اچھی بات ہے۔

جہاں تک شلوار کا تعلق ہے نبی کریم ﷺ نے استعمال نہیں فرمائی لیکن پسند فرمائی۔ یہ اہل ہند کا لباس تھا آج جہاں عمان کی سلطنت ہے وہاں ایک بہت بڑی بین الاقوامی منڈی ہوا کرتی تھی جس میں مغرب سے چین تک کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ ہندوستان سے بھی جاتے تھے۔ ہندوستانیوں کی وہ شلوار نبی کریم ﷺ کو پیش کی گئی۔ تو آپ ﷺ نے پسند فرمائی لیکن استعمال نہیں فرمائی۔ تو آپ ﷺ کا پسند فرمانا بھی سنت میں آ جاتا ہے۔ لیکن وہ فرض واجب یا سنت موکدہ نہیں ہے۔ اگر پہنی جائے تو اچھی بات ہے۔ اگر کوئی نہیں پہنتا تہبند پہنتا ہے تو ٹھیک ہے۔ لباس میں ایک پابندی ضروری ہے کہ کسی کافر قوم کا جو شعار بن جائے جو لباس ان کی شناخت بن جائے جیسے ہندوؤں کی ایک مخصوص پیلے رنگ کی دھوتی جس پر کچھ لکھا ہوتا ہے۔ تو جس نے پہنی ہو تو پتہ چلتا ہے ہندوؤں کا کوئی مذہبی پیشوا ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان پہنے گا تو اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہودیوں یا عیسائیوں کے جو شعار بن گئے ہیں پہچان بن گئے ہیں وہ اس لئے جائز نہیں ہیں کہ وہ ایک کافر، بے دین، غلط، باطل مذہب کا شعار ہے اسے اختیار نہ کریں۔ اس کے علاوہ لباس میں جو پابندی ہے۔ مرد کے لئے ریشم جائز نہیں یا سونے کا زیور جائز نہیں، یہ چیزیں واضح ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی کسی قسم کا لباس پہنتا ہے تو اس میں حضور اکرم ﷺ کا حکم یہ ہے کہ جس کی جتنی حیثیت ہے ویسا لباس پہنے ویسا جوتا پہنے ویسا نظر آنے کی کوشش کرے۔

یہ بھی تحدیث نعمت میں آتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ تفاخر کے لئے نہیں لیکن آدمی اگر کروڑ پتی ہے، اچھا لباس پہن سکتا ہے پھر بھی پھٹے پرانے کپڑے پہن لیتا ہے تو یہ ناشکری ہے اور گناہ ہے۔ بعض لوگ پارسائی جتانے کے لئے عام لٹھے کا یا عام کپڑے کا لباس بنواتے ہیں اور لوگوں کو دکھانے کے لئے، پھر اس نئے لباس پر پیوند لگا لیتے ہیں یہ سارے مکر و فریب اور حیلے ہیں اور یہ اصول ہے۔ صوفیاء کے لئے بھی ایک بنیادی اصول ہے یہ یاد رکھ لیں کسی صوفی کو تصوف کی وجہ سے اپنا حلیہ یا لباس تبدیل نہیں کرنا۔ جس حلیے جس لباس میں وہ عادتاً رہتا ہے ویسا رہنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ اب اس نے اللہ اللہ

شروع کی ہے تو مخصوص ٹوپیاں، جبے اور چوغے پہنے، یہ جائز نہیں ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اس پر خاص طور پر پابندی ہے کہ اپنے آپ یہ دکھاوا ہے یہ کو صوفی ظاہر کرنے کے لئے کوئی حلیہ نہ بنائے۔ جیسے لوگ کرتے ہیں کہ ایک ٹوپی پہن لی، اس پر پگڑی باندھ لی اس کے اوپر ایک دوپٹہ کر لیا۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سارے تکلف لوگوں کو دکھانے کے لئے ہیں۔ ان چیزوں میں جہاں خرابیاں ہیں وہاں سے شریعت منع فرماتی ہے۔

صرف عطر کی بات نہیں ہے بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کو خوشبو پسند ہے۔ ظاہر ہے ہر اچھی خوشبو خواہ وہ عطر ہو یا Cologne ہو اس کی خوشبو اچھی ہونی چاہیے۔ جس کے پاس آپ بیٹھیں یا گذریں اُسے ناگوار نہ گزرے۔ ناپسندیدہ نہ ہو تو سب ٹھیک ہے۔ Cologne میں ہمارے علماء بعض اوقات یہ فرما دیتے ہیں کہ اس میں Alcohol ہے۔ Alcohol کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں فی نفسہ حرمت ہو۔ حرمت ان چیزوں میں ہے جو مسکرات ہیں۔ کوئی بھی چیز جو نشہ آور ہے، حواس کو مختل کر دیتی ہے اسے مسکر کہتے ہیں۔ وہ خواہ کوئی چیز ہو جس سے دماغ مختل ہو جاتا ہے، حواس ٹھیک نہیں رہتے وہ مسکر ہے۔ تو شراب میں الکوحل غالباً جہاں تک مجھے یاد ہے سات فیصد ہوتی ہے۔ الکوحل مسکر نہیں یہ Preservative ہے۔ یہ چیزوں کو خراب نہیں ہونے دیتی۔ اسے عطر میں بھی اس لئے ملاتے ہیں کہ وہ خراب نہیں ہوتے۔ اب شراب جو ہے وہ کھانے کی چیزوں سے بنتی ہے۔ یہ پٹرولیم کی product ہے۔ یعنی الکوحل کھانے کی چیزوں سے نہیں بنتی یہ پٹرولیم کی product ہے تو اس سے بننے والا Cologne ناجائز نہیں ہوتا۔ آپ Cologne لگا لیں وہ بھی خوشبو ہے عطر لگا لیں وہ بھی خوشبو ہے۔ اس میں انسان کی اپنی پسند کو بھی دخل ہے کہ بعض لوگ تیز خوشبو لگا لیتے ہیں۔ بعض تیز خوشبو پسند نہیں کرتے۔ ہلکی لگاتے ہیں یہ تو اپنی اپنی پسند کی بات ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کو خوشبو پسند تھی۔ عطر بھی بے شمار مل جاتے ہیں۔

لباس میں ایک پابندی ہے ستر عورت ہو دوسری پابندی یہ ہے کہ کسی غیر مسلم قوم کا جو قومی شعار ہے وہ نہ ہو۔ اس میں میں سمجھتا ہوں کہ یہ نکٹائی جو عام ہو گئی ہے یہ مغربی اقوام کا ایک شعار ہے۔ ہم نے اسے خواہ مخواہ پکڑ لیا ہے۔ جہاں تک پتلون کا تعلق ہے تو یہ قدیم زمانے سے مسلمان بھی پہنتے تھے لیکن اس کی شکل دوسری ہوتی تھی۔ نیچے پائنچہ پتلون کا ہوتا تھا اوپر نیفہ ہوتا تھا اور قمیض اندر دے کر اوپر نیفہ باندھتے تھے۔ جس طرح پتلون میں قمیض دی جاتی ہے۔ تو اب بھی اگر کوئی بعینہٖ ان جیسی نہ پہنیں، وہ تنگ پہنتے ہیں آپ کھلی بنوا لیں۔ ان کی Shape اور ہے آپ تھوڑی سی Shape بدل دیں۔ تو یہ بھی لباس ہے وجود کو ڈھانپنے کا ذریعہ ہے۔ تو لباس میں دو چیزوں کی پابندی ہے ایک ستر عورت کی اور ایک اپنی حیثیت سے بڑھ کر، نمائش کے لئے قرض لے کر، چوری کر کے یا رشوت لے کر اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے نہ پہنے۔ اپنی حیثیت کا پہنے جو حیثیت اللہ نے اُسے دی ہے اس کا پہنے۔

سنن عادیہ کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں یہ درست ہے۔ اس زمانے میں کھانے پینے کی جو عادت مبارکہ تھیں وہ سادہ تھیں۔ آج کل کے یہ ناشتے اور پھر اس کے بعد کھانا اور اس کے بعد عصر کے لئے، یہ کہاں تھے؟ سادہ غذا تھی، سادہ چیزیں تھیں۔ یہ چائے وغیرہ کا وجود نہیں تھا۔ لیکن ان غذاؤں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ایک ہی پابندی ہے کہ اس چیز کا حلال اور پاکیزہ ہونا شرط ہے۔ حلال ہو یا پاکیزہ ہو۔ یعنی دو چیزیں اس کی شرط ہیں۔ تو یہ فرق ہے امور عادیہ میں۔ ان کے اسباب بھی بدلتے رہتے ہیں لیکن جو عبادت ہے نہ اس کی صورت بدلتی ہے، نہ اس کے اسباب بدلتے ہیں، نہ اس کے ذرائع بدلتے ہیں وہ اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ جو سنتیں عبادت ہیں وہ بعینہٖ ویسی ہی ادا کی جائیں گی۔ جو سنتیں امور عادیہ سے تعلق رکھتی ہیں ان پر اگر کوئی ویسے ہی عمل کر سکتا ہے تو بہت اچھی بات ہے۔

(جاری ہے)

کھرے لوگوں کی صحبت

اکرم التفاسیر

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سورۃ التوبہ: 119 تا 122

آعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ، 119

ایمان لانے والے کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ سے تقویٰ کا تعلق رکھو۔

اِتَّقُوا اللّٰہَ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ نور ایمان سے جو رشتہ ذات باری سے استوار ہوتا ہے، اللہ کی توحید پر اس کی عظمت پر ایمان لانے سے اللہ کریم کے ساتھ جو تعلق بنتا ہے اس تعلق کو زندگی کے ہر معاملے میں مدنظر رکھو۔ یا یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ اردو میں تو یہ مجبوری ہے کہ کوئی متبادل لفظ نہیں ہے اس لئے اس کا ترجمہ ڈر لکھ دیا جاتا ہے۔ اتقوا اللہ! اللہ سے ڈرو۔ لیکن یہ ڈر ایک خاص قسم کا ڈر ہوتا ہے آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رشتۂ الفت کے ٹوٹنے کا ڈر ہے۔ تعلق باللہ میں دراڑ آنے کا ڈر ہے کہ میرا جو تعلق اللہ جل شانہٗ سے قائم ہوا ہے اس میں کہیں بال نہ آ جائے۔ ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکل جائے جس سے اس تعلق پہ حرف آتا ہو۔ کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھوں جس سے وہ تعلق کمزور ہوتا ہو یہ ہے تقویٰ۔ اس اندیشے سے کیسے بچا جا سکتا ہے فرمایا وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچے اور کھرے لوگوں کا ساتھ دو یہاں کونوا مع الصالحین نہیں فرمایا کہ نیک لوگوں کے ساتھ رہو۔ ہو سکتا ہے کوئی آدمی بظاہر بہت عبادت گذار ہو، نیک ہو، بہت محنت کرتا ہو لیکن شاید وہ اپنی نیکی کے گھمنڈ میں ہو۔ صرف ظاہری حالت کھری نہ ہو۔ صادقین وہ ہیں جن کا ظاہر بھی سچا ہو اور باطن بھی سچا ہو۔ جن کی باتیں بھی حق کی باتیں ہوں جن کا کردار بھی حق کا اتباع ہو اور جن کے دل بھی ذات باری کے نور سے منور ہوں جن کا باطن بھی روشن ہو وہ صادقین ہیں۔ صالحین میں تو ہر نیک عمل کرنے والا بندہ شامل ہوگا ہم کسی کا دل تو نہیں چیر کر دیکھ سکتے لیکن صادقین وہ ہیں جو ظاہر و باطن میں کامل ہیں۔ اس آیہ کریمہ کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں۔ تو اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ سبق دیا جا رہا ہے، کہ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو ظاہر و باطن میں کھرے ہوں، سچے ہوں، جن کی زبان بھی حق بیان کرتی ہو، جن کا کردار بھی حق کے تابع ہو، اور جن کا باطن بھی روشن ہو، ضمیر بھی روشن ہو، دل بھی ذاکر ہو، سینہ بھی منور ہو، جو ہر طرح سے سچے ہوں ان کے ساتھ رہو کہ ان کی مجلس میں تمہارے دل بھی روشن ہوں گے،'' سینے روشن ہوں گے'' کردار صحیح ہوگا علم صحیح تم تک پہنچے گا۔ دوسرے لفظوں میں بدکردار اور بدکاروں کی محفل میں رہنے سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ جب یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ تو از خود واضح ہو گیا کہ کاذبین یعنی جھوٹوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ انسان جس صحبت میں بیٹھتا ہے اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ اس کی عادات اور مزاج قبول کرتا ہے۔ تو برے لوگوں کی صحبت سے بچو، بے حیا لوگوں کی صحبت سے بچو، بے دین لوگوں کی صحبت سے بچو کہ ان کے مزاج تمہارے مزاجوں کو بھی خراب کرنے کا سبب نہ بن جائیں۔ انبیاء علیہ السلام کے بعد بہترین لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور اگر صحابہ کرامؓ کے قلوب متاثر ہو سکتے ہیں حالانکہ انہیں رفاقت پیغمبر ﷺ حاصل تھی۔ پہلے بیان گذر چکا ہے کہ کچھ لوگوں کے دل متزلزل

ہوئے لیکن اللہ نے انہیں سنبھال لیا اس لئے کہ وہ صحابہ کرامؓ تھے، انہیں رسول ﷺ کی رفاقت نصیب تھی، اس لئے ان پر غالب اثر صحبت پیغمبر ﷺ کا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کا کوئی دلی تعلق منافقین سے نہیں تھا۔ روا روی میں چونکہ وہ بھی ساتھ رہتے تھے تو ان کے پاس بھی کہیں بیٹھ جاتے یا ان کی بات بھی سن لیتے۔ قلبی تعلق ان کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا اور جو سچے اور کھرے لوگ تھے ان کے ساتھ تھا تو اس ماحول میں جس میں صحبت پیغمبر ﷺ مسلم حاصل ہو، رفاقت صحابہ کرامؓ حاصل ہو اس میں بھی اگر بدکاروں، بے دینوں اور منافقین کے ساتھ بیٹھا جائے تو خطرہ ہے کہ نور ایمان پہ کوئی ڈاکہ نہ پڑ جائے، کوئی ایمان باللہ خراب نہ ہو جائے تو پھر آج پندرہ سو سال بعد اندازہ کیجئے کہ قوم کی اکثریت کا وقت بازاروں اور ہوٹلوں میں بسر ہوتا ہے۔ بے دین لوگوں کے ساتھ گپ شپ میں تاش وغیرہ کھیلنے میں اور اس طرح کی بازیاں لگانے اور فضول باتوں میں خرچ ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کا اثر ہوتا ہے کہ بندے کا اپنا جو قلبی تعلق اللہ کے ساتھ اور اللہ کے حبیب ﷺ کے ساتھ ہے وہ کمزور ہوتا رہتا ہے۔ جب وہ تعلق کمزور ہوتا ہے تو نمازیں بھی چھوٹنے لگتی ہیں، عبادات میں کمی آنے لگ جاتی ہے۔ پھر بندہ ناجائز چیزیں، ناروا چیزیں، بلا امتیاز حلال وحرام کھانے لگ جاتا ہے اور یوں رحمت الٰہی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ تو فرمایا اپنا محفل، اپنی مجلس کا بھی اہتمام رکھو۔ اچھے لوگوں کے ساتھ بیٹھو، اچھی باتیں سنو، اچھے کام کرو۔ ہمارا تو حال یہ ہے کہ ہم چار سکوں کے لئے دنیا کی روٹی روزی کے لئے بدترین کافروں کے ممالک میں بھی دوڑے جا رہے ہیں۔ اور کوئی بھی برطانیہ، امریکہ، یورپ کا کوئی ویزہ کھول دے تو آج پاکستان میں تو کوئی بھی نہ رہے۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ کافر معاشرے میں جا سکتے ہیں جو اتنے مضبوط ہوں کہ ان کے ساتھ کوئی کافر ایمان لے آئے وہ کسی کافر سے متاثر ہو کر دین چھوڑنے والے نہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے جانا ضروری ہے لیکن ایسے لوگ جو وہاں جا کر اس معاشرے سے متاثر ہو کر اپنا دین چھوڑ بیٹھیں ان کیلئے جانا حرام ہے اب جانے والے خود دیکھ لیں کہ ان میں کتنی قوت ہے کتنا وہ اس پر ٹھہر سکتے ہیں اور کتنا وہ اپنے ایمان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص اس کافر معاشرے میں ہے جس کی وجہ سے کوئی کافر مسلمان ہو اور وہ اسلام کا دامن نہیں چھوڑ سکتا تو یہ جہاد ہے۔ اور جو ایسا بندہ جائے جو اس معاشرے میں گم ہو جائے تو یہ خودکشی ہے مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ (التوبہ) رسول اللہ فرمایا! مدینہ اور اردگرد کے دیہاتوں کو جو ایمان لا چکے ہیں ان کو تو یہ زیب ہی نہیں دیتا تھا کہ نبی کریم ﷺ جہاد پر روانہ ہوں اور وہ پیچھے رہ جائیں۔ یہ بات پہلے بھی گذر چکی۔ جہاد کی کئی صورتیں ہیں۔ علماء حق نے مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں کہیں مسلمانوں پہ یا ریاست اسلامی پہ زد پڑتی ہے تو اس کا دفاع مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے اور وہ جہاد ہے اور وہ فرض عین ہے تب تک فرض عین ہے جب تک اتنے لوگ اس میں شامل نہ ہو جائیں جو اس کے لئے کافی ہوں۔ اگر اتنے بندے جمع ہو گئے جو اس جہاد کے لئے کافی ہیں تو پھر باقیوں کیلئے فرض کفایہ ہو جاتا ہے فرض کفایہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ وہ فرض ادا کر دیں تو باقیوں کی طرف سے بھی کفایت کرتا ہے لیکن اگر ان کے بس کی بات نہ ہو، ان سے بات بڑھ جائے تو جو قریب ہیں ان پر فرض ہو جاتا ہے ان سے بھی بات بڑھ جائے تو جو اور قریب ہیں اان پر فرض ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں پر بھی بیک وقت فرض ہو جائے۔ تو اس میں جہاں یہ فرض کفایہ ہے وہاں تو یہ گذارہ ہو جاتا ہے کہ جتنے لوگ کفایت کرتے ہوں وہ جمع ہو گئے باقیوں کے لئے فرض کفایہ ہے۔ لیکن ایک صورت اس کی یہ ہے کہ جب امیر اعلان عام کر دے، امیر ریاست اسلامی اعلان جہاد عام کر دے تو پھر سب پر فرض ہو جاتا ہے۔ یہ جو غزوہ تبوک تھا اس میں نبی ﷺ نے اعلان عام فرمایا تھا کہ سب نکلو۔

توجو جہاد کے قابل ہی نہ تھے جو بیمار تھے یا جن کے پاس سواری نہیں تھی یا عذر شرعی تھا، ان کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس جو آبادیاں تھیں ان سب پر فرض عین تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی عظیم الشان تفسیر مظہری کی چوتھی جلد میں ان فرائض پر بحث کرتے ہوئے اسی جگہ لکھا ہے کہ ذکر قلبی بھی تمام مسلمان مرد عورتوں پر فرض عین ہے اور بڑے پر زور طریقے سے لکھا ہے، کوئی معذرت خواہانہ انداز نہیں ہے اور اس پر دلائل دیئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عبادت کیلئے خلوص شرط ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کریم تمہاری نیتوں کو دیکھتے ہیں۔

''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

تو فرماتے ہیں نیت کی اصلاح تب ہوتی ہے جب قلب ذاکر ہو۔ خلوص تب پیدا ہوتا ہے جب قلب ذاکر ہو اور اگر ذکر قلبی نصیب ہو جائے تو یہ فرض عین ہے اور کسی کو کوئی ایسی ہستی ساری زندگی نہ ملے جو اس کے قلب کو ذاکر کر سکے تو ساری زندگی اس کیلئے تلاش فرض عین ہے، جستجو میں رہے۔ تو فرمایا اہل مدینہ اور اردگرد کے جو لوگ دیہاتی تھے ان کو تو یہ زیبا ہی نہ تھا کہ یہ پیچھے رہ جاتے اور یہ کیا بات ہوئی وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهِ اپنی جانوں کو نبی کریم ﷺ کی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ جب حضور ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں تو پھر خطرہ کیا۔ اور پھر فرمایا اس میں ایک اور بات ہے ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ '' وَلَا نَصَبٌ '' وَلَا مَخْمَصَةٌ '' فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حضور اکرم ﷺ کی رفاقت پر آپ ﷺ ہم رکاب ہوں آپ ﷺ کے اتباع میں کام آپ ﷺ کے حکم کے مطابق کرنا، آپ ﷺ کے ساتھ جا کر جان دینا، مال دنیا خرچ کرنا یہ تو وہ عبادت ہے جو مقبول ہو چکی۔ جتنی عبادات ہم کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ اللہ قبول فرمائیں گے لیکن ہمیں قبر میں جا کر یا میدان حشر میں جا کر پتہ چلے گا کہ ہماری عبادتیں قبول بھی ہوئیں کہ رد ہو گئی ہیں۔ لیکن جو لوگ حضور ﷺ کی خدمت عالی میں کام کرتے ہیں انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے یا بھوک پیاس ستاتی ہے، مشقت کرنا پڑتی ہے، محنت کرنا پڑتی ہے، یا دور دراز جا کر دشمن افواج کی کاروائیوں کی خبریں لانا ہوتی ہیں، کفار کی کارروائیوں کی خبریں حضور اکرم ﷺ تک پہنچانے کیلئے مشکل اور دشوار سفر کرنے پڑتے ہیں۔ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ '' صَالِحٌ '' ان کیلئے نیک عمل لکھا جاتا ہے یعنی دنیوی زندگی کے اعتبار سے یہ عرصہ صرف تئیس برس ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی حیات دنیوی میں جو عرصہ حیات نبوت کا ہے اعلان نبوت سے لے کر وصال نبوی تک ان تئیس برسوں میں جس نے جتنا ساتھ دیا۔ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق تو عبادت کی حضور ﷺ کا ساتھ دیا، سفر حضر میں ساتھ رہا، یا حضور ﷺ کے ساتھ جہاد پر گیا یا بھوک پیاس کاٹی یا کوئی دشمن کو للکارا اور دشمن کفار ناخوش ہوئے یا سفر کیا یا جان دی یا مال خرچ کیا تو فرمایا یہ تو وہ نیکی ہے جو مقبول و منظور ہو چکی۔ سبحان اللہ! کیا دور تھا کہ حضور ﷺ کے اتباع میں جو نیکی کی جاتی اس کی تو قبولیت کی سند قرآن کریم میں آ گئی کہ جو کچھ بھی یہ کرتے اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ '' صَالِحٌ '' ان کے ان کاموں کو نیک اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے یعنی وہ عبادت قبول ہو پھر بھی اگر کوئی پیچھے رہ جائے تو پھر اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہو گی اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ یقیناً اللہ خلوص دل سے نیکی کرنے والوں کا عمل ضائع نہیں فرماتے۔ وصال نبوی علی صاحب الصلوٰۃ والسلام کے بعد تین زمانے تھے جن کو حضور ﷺ نے خیر کے زمانے فرمایا اور جن کی حضور ﷺ نے خیر کی شہادت دی مشہود لہا بالخیر جن کو خیر کی شہادت سے نوازا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم تین زمانے بہترین ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا زمانہ، پھر اس کے ساتھ کا زمانہ، پھر اس کے ساتھ کا زمانہ۔ تو تبع تابعین تک یہ تین زمانے متصل ہیں۔ صحابہؓ کا زمانہ حضور ﷺ کے زمانے میں مدغم ہے۔ حضور ﷺ کا زمانہ عالی، پھر اس کے ساتھ

خلافت راشدہ، تابعین اور تبع تابعین تک یہ تین زمانے خیر القرون ہیں۔ بہترین زمانے ہیں لیکن ان باقی زمانوں میں بھی کسی کے عمل کی قبولیت کی سند نہیں دی گئی۔ قبولیت کی سند صرف حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالی میں آپ کے ساتھ کام کرنے میں دی گئی اور پھر قیامت تک یہ شرط عام کر دی گئی کہ قیامت تک خلوص دل سے میرے نبی ﷺ کی اطاعت میں جو کام کرے گا میرے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق جو کام خلوص دل سے اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا کے لئے کرے گا اللہ اس کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا، اللہ اس کو اجر عطا فرمائے گا۔ کام اس کا بندے کی حیثیت کے مطابق ہوگا، اللہ کا انعام اللہ کی شان کے مطابق ہوگا وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (التوبہ) اور یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حضور ﷺ کے ہم رکاب ہو کر کوئی سفر کرتے ہیں۔ کوئی میدان طے کرتے ہیں۔ ان سب میں ان کا ہر قدم چلنا، ان کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ان کی جان، ان کا مال جو راہ حق میں حضور ﷺ کے ساتھ قربان ہوتا ہے فرمایا! اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ اللہ کریم وہ سارا ان کیلئے لکھ لیتے ہیں لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تا کہ اللہ ان کو جو کام انہوں نے کیا ہے اس سے بہت زیادہ احسن، بہت زیادہ بہتر، بہت زیادہ بڑا بدلہ عطا فرمائے یعنی بندے کا کام اپنی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ کا انعام اس کی اپنی شان کے مطابق ہوتا ہے تو کیا عجیب زمانہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی رفاقت میں جنہوں نے جو عمل کئے وہ مقبول بھی ہو گئے ان کی مقبولیت کی سند بھی قرآن میں آ گئی لیکن ایک اور بھی بہت بڑا اللہ کا احسان ہے کہ جن لوگوں نے حضور ﷺ کا زمانہ مبارک نہیں پایا، جو صدیوں بعد میں آئے، جو قیامت تک آئیں گے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ارشادات سن کر، اللہ کریم کا قرآن پڑھ کر، سمجھ کر، حضور ﷺ کی حدیث جو قرآن کی تفسیر ہے، قرآن کی سب سے پہلی تفسیر حضور ﷺ کی حدیث پاک ہے۔ قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہوئے جنہوں نے اللہ کی رضا کے لئے عمل کیا اللہ انہیں بھی محسنین میں شامل فرماتے ہیں لیکن خلوص دل سے عمل کرے۔ اب یہ بھی ضروری نہیں کہ سارے مسلمان ایک ہی سمت نکل کھڑے ہوں۔ میں پہلے عرض کر چکا کہ علماء حق فرماتے ہیں کہ جہاد فرض عین ہے لیکن اگر اتنے لوگ نکل جائیں جو اس کے لیے کافی ہیں تو فرض کفایہ ہو جاتا ہے باقیوں پر ساقط ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا یہ ضروری نہیں کہ سارے مسلمان ایک ہی سمت نکل کھڑے ہوں ایک ہی کام پر سارے لگ جائیں۔ نہیں، جہاں دشمن کو روکنے کی ضرورت ہو، جتنے مجاہدین کی ضرورت ہو، اتنے وہاں پہنچیں اور ہر جماعت، ہر آبادی، ہر قریے، ہر گاؤں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں۔ جہاد کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ دین کا علم حاصل کیا جائے، قرآن وحدیث کو سمجھا جائے، دین کے علم کے لئے مختلف درجات ہیں۔ دین کے علم کے بعض حصے تو وہ ہیں جو فرض عین ہیں سب پر جیسے قاضی صاحب نے لکھا کہ ذکر قلبی فرض عین ہے۔ اسی طرح فرائض کا جاننا فرض عین ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جن سے سابقہ پڑتا ہے۔ عقیدے اور عمل میں جو فرائض اللہ نے فرض کئے ہیں ان کا جاننا بھی فرض ہے سنتوں کا جاننا سنت ہے، مستحبات کا جاننا مستحب ہے، واجب کا جاننا واجب ہے، نفل کا جاننا نفل ہے، یعنی روزمرہ کے جو کام ہیں، مزدوری کرنا، اپنی محنت کرنا، خلوص سے کام کرنا، حلال روزی کمانا، پاک اور طیب کھانا، چیزوں کے حلال حرام سے واقف ہونا، ضروریات سے واقف ہونا، ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے لیکن تشریحات، تفصیلات، تفسیرات، احادیث مبارکہ اور فقہ کی تفصیلات ہر بندہ نہیں جان سکتا۔ ہر فرد پر فرض نہیں ہے بلکہ چاہیے کہ مسلمان اپنی آبادیوں میں سے مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ ہر جماعت میں سے، ہر گاؤں میں سے، ہر قریے میں سے، ہر آبادی میں سے کسی نہ کسی کو اس کام کے لئے ضرور بھیجیں لِيَتَفَقَّهُوْا فِي

الـدِّيْنِ کہ وہ دین کا علم حاصل کرے دین میں تفقہ حاصل کریں، قرآن کے معنی سمجھیں، تفسیر سمجھیں، حدیث اور حدیث پاک کے معنی اوران کی تشریحات سمجھیں۔فقہ اور فقہ کے احکام اوراس کی تفصیل جانیں۔ایک اور عجیب بات ہے کہ جس کام سے سابقہ پڑتا ہے اس کا علم جاننا بھی فرض ہوجاتا ہے اگر آدمی ملازمت کرتا ہے ہے تو ملازمت کے اصول وقواعد اور دیانت داری سے کام کرنا، کیسے کرنا ہے اس کا جاننا بھی فرض ہوجاتا ہے۔کوئی تجارت کرتا ہے تو اس کے لئے تجارتی اصول جاننا فرض ہوجاتا ہے۔اور کوئی کھیتی باڑی یا زراعت کرتا ہے اسے جاننا ضروری ہوجاتا ہے۔

مزدور کیلئے مزدوری کی شرائط جاننا فرض ہوجاتا ہے۔اسی طرح کوئی نکاح کرتا ہے تو شادی کے فرائض جاننا اس کیلئے فرض ہوجاتا ہے کہ اسکے فرائض اور حقوق کیا ہیں؟ اس کی زوجہ کے فرائض وحقوق کیا ہیں؟ والدین سے کیا سلوک کرنا ہے؟ سسرال سے کیا رشتہ رکھنا ہے؟ یہ جاننا اس پرفرض ہوجاتا ہے یعنی جس کام میں آدمی ہاتھ ڈالتا ہے اس کا جاننا اس بندے پرفرض ہوجاتا ہے اور اجتماعی طور پر دینی علوم کو جاننا، فقہ کو حدیث کو، تفسیر قرآن پاک کو جاننا مسلمانوں کی ایک جماعت پرفرض ہوتا ہے۔اس کیلئے فرمایا ہر بندہ تو اتنا نہیں کرسکتا ہر آبادی، ہر قریے، ہر قوم، ہر شہر سے کچھ لوگ نکلیں جو دین کا تفصیلی علم حاصل کریں لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (التوبہ)۱۲۲اور جب وہ دین علم میں کامل ہوکر واپس آئیں تو اپنی قوم کو اللہ کے احکام سے آشنا کریں لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ تاکہ وہ برائی سے بچ سکیں یعنی تبلیغ کیلئے قاعدالطریق جو قرآن کریم نے بتایا وہ یہ کہ تبلیغ کیلئے مبلغ کا جاننا بھی شرط ہے۔جو تبلیغ کرے پہلے وہ دین کا علم حاصل کرے اور ہر بندہ تو نہیں حاصل کرسکتا لیکن ہر بندے کیلئے ضرورت کا جاننا ضروری ہے۔فرض کا جاننا فرض ہے۔یہاں شادیاں کیا بچے ہوجاتے ہیں، بچوں کی شادیاں بھی ہوجاتی، ہیں بڑھیا بوڑھا قریب المرگ ہوجاتے ہیں، ابھی بھی انہیں شادی کے فرائض واجبات کا علم نہیں ہوتا۔اب تو خیر یہ باتیں بھی ختم ہوگئیں چونکہ اب لوگ زیادہ روشن خیال ہوگئے ہیں۔جب لوگوں کے پاس یہ جدید روشن خیالی نہیں تھی تو ہم نے کئی بوڑھیوں کو دیکھا۔بابا دفن ہوگیا بڑھیا لاٹھی ٹیکتی جارہی ہے قبرستان کی طرف۔اماں ادھر کیا کروگی ؟ انہوں نے حق مہر نہیں دیا تھا انہیں معاف کرنے جارہی ہوں۔یعنی جن کو ہم جاہل کہتے ہیں۔اس زمانے کو جہالت کا زمانہ کہتے ہیں۔اس میں بھی احکام کی اہمیت اتنی تھی کہ وہ انپڑھ لوگ بھی جانتے تھے اور بوڑھیوں کو یہ علم ہوتا تھا کہ مجھے اگر زندگی بھر حق مہر نہیں ملا تو مردے کو اپنا حق معاف کروں گی تو اس کا فرض ساقط ہوگا۔انہیں ملتا کیا تھا؟ پانچ دس روپے تیس پینتیس روپے مولویوں نے یہ ایک بڑا مسئلہ نکال رکھا تھا تیس پینتیس روپے شرعی حق مہر ہوگا تاکہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں جو سکہ رائج الوقت تھا اگر اس کے ساڑھے پینتس روپے کو آج کے زمانے میں بنائیں تو میرا خیال ہے کروڑوں بنتے ہوں گے۔دیہاتوں میں آج بھی ہمارے مولوی جب نکاح پڑھتے ہیں تو ساتھ یہ پابندی بھی کرتے ہیں اتنے روپے زرسرخ دینا ہوں گے۔زرسرخ سے مراد ہوتا ہے سونے کا سکہ تو ملکی کرنسی میں چند روپے دینے سے پورا نہیں ہوتا اگر ساڑھے پینتس درہم ہیں تو ساڑھے پینتس تولے ہوگا تو ساڑھے پینتس تولے سونے کی قیمت لگائیں موجودہ قیمت اگر ترسیٹھ ہزار روپے تولہ ہے تو کتنی خطیر رقم بنتی ہے فقہ کی کتابوں میں جو لکھا ہے وہ عبارت پڑھ جاتے ہیں جہاں لکھا ہو پانچ ہزار رکھ آؤ وہاں لکھ دیتے ہیں پانچ ہزار روپے زرسرخ۔زرسرخ کا مطلب ہے پانچ ہزار تولے سونا۔جب مولویوں کو نہیں پتہ تو پھر مقتدیوں کو کیا پتہ؟ نکاح خوانوں کو کوئی نہیں پتہ تو جن کے نکاح پڑھے جاتے ہیں ان کو کیا پتہ ہوگا کہ اس نے کیا حق مہر دینا ہے اور اس کے کیا حقوق وفرائض ہیں۔حالانکہ جس کام میں کوئی پڑتا ہے اس کا جاننا اس کیلئے فرض ہوجاتا ہے

۔اسی طرح شادی کرنا ہے تو شادی کے احکام نکاح طلاق کے احکام جاننا فرض ہوجاتا ہے۔کبھی کسی نے کوشش نہیں کی؟ کرنی چاہیے،شادی کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ رشتہ تلاش کرتے وقت لڑکے اورلڑکی کے بارے معلوم کریں۔لڑکی والے پہلے لڑکے کا دین دیکھیں۔اس کے ساتھ دنیا بھی دیکھیں۔اس کا روزگار معاش کیسے ہیں لڑکی کا بھی پہلے دین دیکھا جائے پھراس کے خاندانی روایات اورطریقہ بھی دیکھا جائے کہ اچھے شریف لوگ ہیں ان کی خاندانی روایات اچھی ہیں۔اب یہ چیزیں جاننے کی کوشش کوئی نہیں کرتا۔فیس بک پر شناسائی ہوجاتی ہے یا موبائل فون پر شناسائی ہوجاتی ہے یا وہ message کرتے رہتے ہیں۔واقفیت ہوجاتی ہے اورشادی کرلیتے ہیں۔اس سے چوتھے دن جلوس نکلا ہوتا ہے۔لڑکی والے کہتے ہیں لڑکے والے برے ہیں۔ لڑکے والے کہتے ہیں لڑکی والے برے ہیں اور پھر نوبت لڑائی تک اور پھر طلاقوں تک جا پہنچتی ہے۔اس لئے کہ یہ بندے اللہ کے احکام کو مدنظر رکھ کر نہیں کئے جاتے۔ایک نئی مصیبت آگئی۔ٹی وی پر لوگ بیٹھے ہیں وہ کہتے ہیں ہم سے استخارہ کروالو۔دوسروں کو استخارہ کرکے فیصلے کرکے دیتے ہیں۔اپنے گھر کی خبرنہیں لیتے کہ اپنا کیا حشر ہورہا ہے جن کاموں کے کرنے کے شرعی قاعدے کے مطابق واضح احکام ہیں ان میں استخارہ کرنا کیا معنی؟استخارہ تو تب ہوتا ہے کام جائز ہے درست ہے اس کے کرنے کے دوطریقے ہیں۔دونوں جائز ہیں دونوں میں سے کون بہتر ہے تو استخارہ کرلو۔اب سرے سے یہی پتہ نہ ہو کہ یہ خاندان کون ہے؟بندے کون ہیں، نیک ہیں، بد ہیں، ان کا عقیدہ کیا ہے،مسلمان ہیں بھی یا ویسے ہی گنتی کے مسلمان ہیں۔کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟کس عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں؟ان کے اخلاقیات کیا ہیں، یہ نیک ہیں، چور ہیں، جھوٹ بولنے والے ہیں تو اس میں استخارہ کیا کرے گا؟ دین کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔چند مولوی نما لوگ ٹی وی پر بیٹھے ہوتے ہیں لوگوں سے کہتے ہیں۔آپ نام بتائیں۔اسی وقت استخارہ کرکے بتادیتے ہیں۔استخارہ کا شرعی طریق تو یہ ہے کہ کسی بندے کو کوئی کام درپیش ہے۔سفر ہے تجارت کیلئے۔وہ جائز بھی ہے حلال بھی ہے۔اب وہ کار پہ جانا چاہتا ہے یا ہوائی جہاز پہ جانا چاہتا ہے تو استخارہ کرلے کون سا بہتر ہے۔یعنی کام جائز ہو،درست ہو،اس کے کرنے کے دوطریقے ہوں دونوں جائز ہوں تو ان میں سے کون سا اختیار کرے وہ جائز ہے۔استخارہ کیا ہے کہ دونوں قل پڑھے،اللہ کریم سے دعا مانگے سونے سے پہلے اورکسی سے بات کئے بغیر سوجائے۔اللہ چاہے تو ہوسکتا ہے خواب اس کی رہنمائی کردے لیکن یہ ضروری نہیں۔ہوسکتا ہے خواب میں کوئی شیطانی خیال آجائے۔ہوسکتا ہے خواب میں کوئی نفسانی خیال آجائے۔پھراس کو جو جواب میں اشارہ ملے اسے شریعت پر پرکھنا پڑتا ہے کہ یہ شرعاً جائز ہے؟اگر جائز ہے تو ٹھیک ہے ورنہ دیکھنے میں غلطی لگی ہے۔اب یہ کہاں کا استخارہ ہے کہ مصیبت مجھے پڑگئی ہے میں نے ٹی وی پہ فون کیا ۔ٹی وی والوں نے کہا،نام بتاؤ،کام بتاؤ،استخارہ کرکے اسی وقت ٹی وی پہ بتادیا۔یہ دینی ارکان کا بھی مذاق ہے۔فرمایا ہر طبقے،ہرقوم،ہر شہر،ہرقریے سے کچھ لوگ ایسے ہوں جو دین کا علم حاصل کرنے کیلئے نکلیں یہ بھی جہاد ہے۔اس کے پیچھے غزوات کی جہاد کی بات آرہی ہے ۔توفرمایا یہ بھی جہاد کا حصہ ہے لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ کہ دین کا علم حاصل کریں اورواپس اپنی بستی میں آجائیں۔۔اپنی قوم کی رہنمائی کریں اورانہیں برائی سے بچانے کی کوشش کریں تاکہ لوگ ان سے مسائل پوچھ کراوردین سمجھ کر،دینی اورشرعی طریقہ سمجھ کراس پرعمل کرسکیں۔"لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ" تاکہ لوگ اللہ کی نافرمانی اوربرائی سے بچ سکیں۔اورتبلیغ کا طریق بھی جو قرآن کریم بتاتا ہے وہ یہ ہے کہ مبلغ کو چاہیے کہ پہلے وہ خوددین سیکھے اورپھر اپنی قوم میں اپنے لوگوں میں، اپنے علاقے میں،اپنے شہر میں جاکر اس کی ترویج کرے اورلوگوں کی دین کے معاملے میں رہنمائی کرے۔

توسیع مسجد دار العرفان منارہ

آج سے 32 سال قبل جس مسجد کا سنگ بنیاد حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا آج وہ پوری دنیا کیلئے تصوف کا مرکز بن چکی ہے، یہ وہی قافلہ ہے جسے اس کے میر کارواں نے نہایت مجاہدے سے شروع کیا اور یہ رواں دواں ہے توسیع کا سنگ بنیاد

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے

جمعۃ المبارک بمطابق 25 مئی 2012ء کو رکھا

مسجد دار العرفان کے توسیعی منصوبے پر 39 ملین روپے لاگت آئے گی اور یہ 01 سال میں مکمل ہوگا

مسجد کے ہال میں بیک وقت 4500 نمازیوں کی گنجائش موجود ہوگی۔

اگر کوئی ساتھی اس مسجد میں اپنے ایک مصلّی کا ہدیہ (جو تقریباً 15 ہزار روپے پاکستانی) اندازہ کیا گیا ہے
جمع کروانا چاہے تو دار العرفان مرکز یا ضلعی امراء سے رابطہ کر سکتا ہے

منجانب: مرکزی دفتر دار العرفان منارہ تحصیل کلر کہار ضلع چکوال

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○۲۲

ترجمہ: اور بالاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے

اکرم التراجم

قدرت اللہ کمپنی کے تیار کردہ دیدہ زیب قرآن پاک

شیخ المکرّم **امیر محمد اکرم اعوان** مدظلہ العالی

کا تحریر کردہ آسان اور عام فہم زبان میں اردو ترجمہ

اب آپ ہماری ویب سائیٹ www.naqashbandiaowasia.com پر بھی پڑھ سکتے ہیں

شیخ المکرم کے تازہ ترین بیانات ہر جمعہ کی شام ہماری ویب سائیٹ www.oursheikh.org پر سن سکتے ہیں

منجانب: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان ایڈمنسٹریٹر دار العرفان منارہ 0543-562200

بچوں کا صفحہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام

تحریر: اے خان

بچو! کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام "عمران" اور والدہ کا نام "یوخابذ" ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی پیغمبر بنایا اور دین پھیلانے اور دین کی دعوت دینے کے کاموں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وزیر و مشیر بنایا۔

ولادت

اُس زمانے میں مصر کے علاقے میں دو بڑی قومیں آباد تھیں" بنی اسرائیل" جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور دوسری قوم "قبطی" تھے۔ اس زمانے میں بادشاہت قبطی قوم کے ہاتھ میں تھی اور اُن کے بادشاہوں کو فرعون کہتے تھے۔ جس زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اُس زمانے کا فرعون انتہائی ظالم اور متکبر تھا۔ وہ اپنے کو خدا کہلواتا اور لوگوں سے خود کو سجدے کرواتا تھا۔ بنی اسرائیل قبطیوں کے ہاتھوں شدید مصائب اور مشکلات میں مبتلا رہتے تھے۔ تب ہی ایک دن فرعون نے کوئی خواب دیکھا، صبح اُٹھا تو بہت پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے نجومیوں کو اکٹھا کر کے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی، ان سب نے مل کر جو تعبیر دی وہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تُو اور تیری قوم ہلاک ہو جائے گی۔ فرعون خواب کی وجہ سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ اُس نے حکم جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کر دیا جائے، البتہ ان کی بچیوں کو زندہ رہنے دیا جائے تا کہ وہ خدمتگار بن سکیں۔

کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ قبطیوں نے محسوس کیا کہ اگر بنی اسرائیل کے لڑکے پیدا ہوتے ہی قتل ہوتے رہے تو کچھ عرصہ بعد کھیتی باڑی اور محنت مشقت کے کام اُن کی اولادوں کو کرنا پڑیں گے۔ انہوں نے یہ شکایت فرعون سے کی جس پر فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے لڑکے قتل کر دیئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیا جائے۔ اب حضرت ہارون علیہ اسلام تو اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل نہیں کیے جاتے تھے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جب بچے قتل کیے جاتے تھے۔ انتہائی حیران کن بات یہ ہے کہ جس بچے سے خوفزدہ ہو کر فرعون نے ہزاروں، لاکھوں چھوٹے چھوٹے معصوم بچے قتل کروا دیئے تھے وہ بچہ پیدا بھی اُسی سال ہوا جس سال بچے قتل کیے جاتے تھے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہیں تو وہ بچہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ صرف زندہ بچ گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے محل پہنچوا دیا اور وہاں اُس سے آپؑ کی پرورش کا کام لیا۔ ہوا یوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والدین دریائے نیل کے کنارے رہتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ آپؑ کی والدہ ایک صندوق میں آپؑ کو ڈال کر دریا میں بہا دیں۔ اب یہ صندوق بہتا بہتا فرعون کے محل (جو دریا کنارے تھا) کے پاس جا کر کنارے سے لگ گیا۔ صندوق کھول کر دیکھا گیا تو اندر ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بہت نیک دل خاتون تھیں اور اُن کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ فرعون سے کہنے لگیں کہ مجھے یہ بچہ پالنے کی اجازت دے دے۔ فرعون اگرچہ اس بات سے خوش نہیں تھا کیونکہ اُسے پتہ تھا کہ یہ

قبطیوں کا بچہ ہے لیکن حضرت آسیہ کی خوشی کی خاطر وہ اجازت دینے پر مان گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے یہ اہتمام بھی کر دیا کہ آپؑ کی دیکھ بھال اور دایہ گیری کے لیے آپؑ کی والدہ یوخابذ کو ہی محل میں رکھ لیا گیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے اُن کی بے چین والدہ کو اپنے بیٹے سے ملوا دیا۔

ایک دفعہ (جب آپؑ جواں سال تھے) دوپہر کے وقت لوگ قیلولہ (آرام) کر رہے تھے، آپؑ نے دیکھا کہ ایک بنی اسرائیلی اور ایک قبطی کا جھگڑا ہو رہا ہے۔ قبطی نے بنی اسرائیلی کو گریبان سے پکڑ رکھا تھا۔ بنی اسرائیلی نے آپؑ کو مدد کے لیے آواز دی، آپؑ نے محض ڈرانے کے لیے (کہ قبطی بنی اسرائیلی کو چھوڑ دے) قبطی کو مکا مارا تو وہ گرا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس کا کام تمام ہو گیا۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی کیونکہ آپؑ کا ارادہ ہرگز اُس آدمی کو قتل کرنے کا نہیں تھا۔ اس وقت چونکہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور وہ بنی اسرائیلی ہی اس جگہ موجود تھے اس لیے کسی کو خبر نہ ہو سکی کہ وہ آدمی کیونکر مرا۔ اگلے ہی دن آپؑ اُس طرف کو نکلے تو آپؑ نے اسی بنی اسرائیلی کو پھر سے کسی اور قبطی سے جھگڑتے دیکھا۔ آپؑ ڈانٹنے کے ارادے سے اُس بنی اسرائیلی کی طرف بڑھے تو وہ چلانے لگا کہ جیسے آپؑ نے کل اُس قبطی کو مارا، کیا آج آپؑ مجھے مار دینا چاہتے ہیں۔ اس پر سب کو پتہ چل گیا کہ کل والے قبطی کا قتل کیونکر ہوا۔ قبطی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کے درپے ہو گئے تو آپؑ شہر سے نکل کر ایک طرف کو چل دیئے اور چلتے چلتے مدین پہنچ گئے۔ وہاں ایک جگہ آپؑ ایک کنویں سے پانی پینے کو رُکے تو دیکھا کہ دو لڑکیاں اپنے ریوڑ کو پانی پلانے کو ایک طرف کھڑی ہیں کہ باقی سب پانی پلا لیں تو پھر یہ اپنے ریوڑ کو پانی پلائیں۔ آپؑ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، وہ یہ کام نہیں کر سکتے اس لیے مجبوراً ہمیں یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ آپؑ نے اُن کے ریوڑ کو پانی پلا دیا اور خود جا کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ وہ بچیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ جب جلدی گھر پہنچ گئیں تو والد کے پوچھنے پر انہوں نے اجنبی مسافر کا قصہ سنایا کہ وہ کس قدر نیک اور ہمدرد انسان ہے۔ والد محترم نے بیٹی سے کہا کہ جاؤ جا کر اُسے بلا لاؤ۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام درخت کے سائے میں بیٹھے اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے کہ پروردگار! میں اس بات کا محتاج ہوں کہ آپ مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائیں۔ اتنے میں اُن میں سے ایک لڑکی آپؑ کی پاس آئی اور کہا کہ میرے والد آپ کو بلاتے ہیں۔ آپؑ (اس کے ساتھ) اس کے والد کے پاس گئے اور انہیں سارا واقعہ سنایا۔ وہ اللہ کے نبیؑ تھے، سن کر تسلی اور حوصلہ دیا کہ آپ شکر کریں کہ ظالم لوگوں سے بچ آئے۔ چونکہ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اللہ کے نبیؑ تھے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں موجود نیکی اور بزرگی کو محسوس کر لیا تھا اور انہیں اپنا داماد ہونے کا شرف عطا کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کر دینا چاہتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ آپ آٹھ سال میری خدمت کریں اور اگر دس سال پورے کر دیں تو وہ آپ کی طرف سے احسان ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اُن میں سے ایک بچی کا نکاح ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس برس کا عرصہ بہت اچھی طرح وہاں پورا کیا۔ دس سال گزرنے کے بعد آپؑ نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت لی کہ میں مصر جانا چاہتا ہوں تاکہ اپنے اہل خانہ سے ملوں۔ اجازت ملنے پر جب آپؑ نکلے تو راستے میں رات پڑ گئی۔ سردی کا موسم تھا، بیوی صاحبہ ساتھ تھیں اور بے سرو سامانی کا عالم تھا کہ کوہ طور پر آگ بھڑکتی ہوئی نظر آئی۔ تو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے ہو سکتا ہے میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا آگ کے پاس کوئی راستہ بتانے والا مل جائے"۔ (طٰہٰ:۱۰)

بچو! آپ کو پتہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں سے

بیچ میں راستہ پالیا اور وہاں سے ایک نور بھی ساتھ لے آئے۔ لیکن بھلا کون سا راستہ اور کون سا نور؟ اللہ تعالیٰ تک جانے کا راستہ یعنی دینِ حق اور نور بلا کونسا؟ جی ہاں! نورِ نبوت ساتھ میں لائے۔ آیئے آپ کو بتائیں کہ اُس پہاڑ پر جانے کے بعد کیا ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے اوپر پہنچے تو دیکھا کہ وہ آگ تو ایک سرسبز درخت میں سے بھڑک رہی ہے۔ جتنی آگ زیادہ بھڑکتی اسی قدر درخت زیادہ سرسبز ہوتا جاتا تھا۔

بچو! یہ دراصل اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا ایک معجزہ دکھا رہے تھے۔ درخت تو محض ایک درخت ہی تھا، بعد میں بھی درخت ہی رہا لیکن اس وقت ایک مائیک کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ موجودہ زمانے میں چونکہ کسی نئے نبیؑ نے تشریف نہیں لانا کیونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں تو اب اگر کوئی ایسے کام کر کے دکھانے کی کوشش کرے تو یہ صرف جادوگروں اور شیطان کی شعبدہ بازی ہوگی۔ ہمیں بہت محتاط رہنا ہے کہ انبیاءؑ کا معجزہ اور بات ہے جبکہ جادوگروں کی شعبدہ بازی میں شیاطین مدد کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔

ابھی آپؑ حیرت سے اُسے دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک آواز آئی

''یقیناً میں ہی آپ کا پروردگار ہوں پس اپنے جوتے اتار دیں بے شک آپ پاک میدان طویٰ میں ہیں''۔ (طٰہٰ:۱۲)

''میرے سوائے کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو میری ہی عبادت کیا کریں اور میرے ذکر (یاد) کے لیئے نماز پڑھا کریں''۔ (طٰہٰ:۱۴)

پھر فرمایا کہ اور بے شک میں ہی اللہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے لیے چن لیا اور اپنے تک پہنچنے کا راستہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہیں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں جس کی عبادت کی جائے یا جس کا غیر مشروط کہا مانا جائے۔ ایسی ذات پاک تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

بچو! آپ کو پتہ ہے نا کہ ہر نیک کام کرنے سے (جو نبی پاک ﷺ کے اتباع میں ہو) نور کی کرنیں ہمارے دل میں اترتی ہیں۔ ہر نبی کے دل میں اللہ تعالیٰ اتنا نور ڈال دیتے ہیں اور ہر وقت وہ بڑھتا ہی رہتا ہے کہ برے کام کرنے سے دنیا میں جو نحوست (اندھیرا) پیدا ہوتی ہے، نبی کے دل میں موجود نور اس سے بآسانی مقابلہ (combat) کر سکتا ہے۔

اچھا تو ہم واقعہ شروع کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے بھی عطا فرمائے۔ معجزہ ایسی عجیب چیز یا کام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ انبیاء کو عطا فرماتے ہیں اور کسی بھی قسم کی ٹیکنالوجی، سائنسی وجوہات (Reasons) یا علم وعقل اسے ثابت نہیں کر سکتے۔ معجزے کو ثابت کرنے سے عقل قاصر ہوتی ہے اور صرف ایک بات سمجھ آتی ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیؑ کے ہاتھوں سرزد ہوا، اور بس۔ اس سے آگے سوچنے کی کوشش کی جائے تو عقل بے چاری تھک جاتی ہے۔ تو جو دو معجزے عطا ہوئے اُن میں سے ایک تو یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی جو ہر وقت اُن کے ہاتھ میں ہوتی تھی زمین پر ڈالتے تو وہ بہت بڑا سانپ بن جاتی، ہاتھ میں واپس اُٹھا لیتے تو وہ پھر سے لکڑی کی لاٹھی بن جاتی۔ لاٹھی کو کنویں میں سے پانی لینے کے لیے ڈول باندھ کر کنویں میں لٹکاتے تو لمبی ہو کر پانی تک پہنچ جاتی یا بکریوں کو پتے کھلانے کے لیے اونچے درخت کی ٹہنیوں تک کرتے تو یہ خود بخود لمبی ہو کر اوپر پتوں تک پہنچ جاتی۔ دوسرا معجزہ یہ عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال کر نکالیں تو وہ سفید چمکتا ہوا ہاتھ ہوگا۔ آپؑ نے ایسا ہی کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپؑ فرعون کے پاس جائیں اور اللہ کے دین کی دعوت دیں، وہ بہت سرکش اور ظالم ہو رہا ہے اور اپنی خدائی کا دعویٰ کیے ہوئے ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ بات نرمی سے کریں۔ یہ بھی فرمایا کہ جب دعوت دیں تو پوری توجہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف رکھیں۔

(جاری ہے)

(اقتباس از تفسیر اسرار التنزیل حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ)

محبت رسول ﷺ کا معیار

میجر (ریٹائرڈ) غلام قادری صاحب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل جنگ و جدل برپا تھی کسی کی عزت محفوظ تھی نہ مال۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دلوں کو محبت سے بھر دیا۔ ڈاکو محافظ بن گئے اور چور عادل بن گئے۔ یکسر فضا بدل گئی۔ عرب کے متفرق افراد اسلام کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ اللہ کا پیغام لیکر اُٹھے اور دنیا پر چھا گئے۔ اگر ایک پر دُکھ آتا تو سب بانٹنے کو لپکتے۔ ایک پر چوٹ آتی تو دوسرا آگے ہو کر اپنے اوپر لیتا حتیٰ کہ الفت و محبت کا یہ رنگ دنیا نے دیکھا کہ میدان جنگ میں زخموں سے چور سکرات موت میں مبتلا غازی کو پانی پلایا جانے لگا تو اس نے کہا اُس دوسرے زخمی کو پہلے دو۔ یہ محبت والفت، یہ ایثار کی نعمت، بہت بڑا انعام تھا۔ آج پھر اگر کہیں محبت وخلوص ہے تو صرف اور صرف دین اسلام کی برکات میں ورنہ صرف ظاہر داری اور لفاظی ہے اور کوئی کسی کا بھی خواہ نہیں اغراض ہیں محبت نہیں۔ جبکہ محبت اغراض سے پاک اور صرف اللہ کیلئے ہوتی ہے۔ محبت رسول ؐعین ایمان ہے اور رسول کریم ﷺ کی محبت ہی نیکیوں کی بنیاد ہے اور محبت اطاعت رسول کا تقاضا کرتی ہے۔ فَاِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیعٌ

اللہ کی محبت مومنوں کیلئے مخصوص ہے اور مومن وہ ہے جو محمد رسول ﷺ کا غلام ہو۔ محبت الٰہی کا دعویٰ کرنے والا اگر اتباع سنت میں ثابت قدم ہو اور اتباع سنت کیلئے پوری طرح کوشاں ہو تو درست۔ بحیثیت انسان کوتاہیاں ہوں تو اللہ بخشنے والا ہے لیکن اگر سنت رسول ﷺ کا تارک ہو تو اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ مرضیات باری کو پانے کا واحد راستہ آقا کی اطاعت ہے۔ بعض نادان محبت کرنے کیلئے اپنی طرف سے کئی اعمال ایجاد کر لیتے ہیں اور بدعات میں مبتلا ہو کر نگاہ رسالت پناہ ﷺ میں گر جاتے ہیں۔ اس بارگاہ میں عشق ومحبت بھی آداب سے آزاد نہیں بلکہ محبت کیلئے بھی وہی کچھ کرنا ہوگا جو محبوب کا ارشاد ہو ورنہ اپنے ایجاد کردہ طریقے اس اصل طریقے کو بھی مٹانے والے ہونگے جو محبوب نے ارشاد فرمایا اور اس طرح حضور پرنور کی ناپسندیدگی کا سبب بن جائے گا۔ نبی ہی اللہ کی پسند و ناپسند سے بندوں کو آگاہ کرتا ہے نیز نبی کا ہر فعل اللہ کی اطاعت ہوتا ہے۔

احکام الٰہی کے ساتھ اپنی ہوس پوری کرنے کیلئے اپنی طرف سے عبادات شروع کروانے والے جیسے آجکل جھوٹے مدعیان ولایت ثواب کے نام پر طرح طرح کی رسومات و بدعات شروع کروا دیتے ہیں جبکہ اصل غرض اپنی خواہشات کی تکمیل کرنا ہوتی ہے۔ اللہ کا دین تو یہ ہے کہ جس کسی نے اللہ کی توحید، اس کے انبیا کو مانا اور اپنی زندگی کو اللہ کے حکم کے مطابق کر لیا، کفر و خیانت سے بچتا رہا تو یقیناً اللہ ایسے اشخاص کو پسند فرماتا ہے۔ کسی بدعقیدہ یا بدعتی یا بےعمل کو ولایت خاصہ نصیب نہیں ہو سکتی۔ ایسے لوگ چند ٹکوں کے عوض ایمان ہی نہیں بیچتے بلکہ جھوٹ فریب سے مال کماتے ہیں۔ سو ایسے لوگ نہ صرف مال لوٹتے ہیں بلکہ اصل زر ایمان پر پڑتی ہے جو ایسے لوگوں کی صحبت میں برباد ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کرام کا اتباع نبوی کا معیار کس درجہ کا تھا کہ بدر و احد میں تباہی سے دوچار ہونے کے بعد مشرکین واہل کتاب سب میں ہیجان پیدا ہو گیا اور حسد کی آگ میں جلنے لگے کہ انکی نظروں کے سامنے ایک اسلامی ریاست تشکیل پا رہی تھی جبکہ مشترکہ سازش سے ایک بہت بڑا لشکر مدینہ منورہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے مشورے سے شہر کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ تقریباً چالیس ہاتھ جگہ دس دس صحابہ میں بانٹ دی گئی۔ جاں نثار صحابہ کام میں جُت گئے۔ کھانا اور رفع حاجت تک کیلئے وقت نکالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اثنائے کار ایک جگہ ایک چٹان کھدائی میں حائل ہو گئی۔ دس آدمیوں کی ٹولی میں حضرت سلمانؓ فارسی بھی تھے جو خندق کے تجویز کنندہ تھے۔ ساتھیوں نے رائے دی کہ خندق میں تھوڑا سا ٹیڑھا پن پیدا کر کے چٹان چھوڑ دیں اور خندق کھود لیں کہ مقصود تو دشمن کو روکنا ہے۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا یہ تو درست ہے مگر خندق کھودنے کے لئے جگہ خود محمد رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائی ہے اور اپنے دست مبارک سے لکیر لگائی ہے اس لکیر سے ہٹنے کی جرأت کون کرے گا۔ آج کے مسلمان کیلئے درس عبرت ہے جس کے سامنے سنت رسول ﷺ کی کوئی قیمت ہی نہیں رواج و رسومات کو نہیں چھوڑتا خواہ کتنی سنتیں پامال ہوں۔

(نوٹ)

رواج و رسومات یا بدعات ہی مخالفت رسول ﷺ ہیں جسکو محبت رسول ﷺ کا لیبل لگا کر دنیا کمائی جاتی ہے

engrossed in the world and is worshipping Allah for some material gain or he is seeking fame through piety and charity then according to this saying of the prophet (SAW) the inner motive of the person is fulfilled by Allah. If a person seeks fame through piety, he is given fame, this becomes the recompense for his piety. While he will not get any recompense in the hereafter as he had not done it for his hereafter. This can be understood with the example that we go to a shop where a lot of merchandise is availabl

to be continued

REMAINING PART OF "REPENTENCE" CONTINUED FROM PREVIOUS MONTH

This is an extremely disturbing thing that a citizen is involved in such activities and nobody around the whole country bothered to enquire about it.

There are about fifty six Muslim countries around the world. Leaders of all these countries should have gathered their citizens and passed a resolution and then unanimously stood against such a blasphemy and should have warned the world of its consequences. Muslim countries could have shown great power in this regard. But the kind of protest we have done here is very condemnable. How could we protest by looting and putting public property ablaze around our own community? Therefore, for Allah-swt's sake, the government should first try to understand the delicacy of such matters and then it should educate its citizens.

These insults and blasphemies of the Holy Prophet-(saws) do not happen as incidents; rather these are always planned. They always try to check the response of the Muslim community. For instance, when a butcher slaughters an animal he checks the animal by striking on its legs to see whether it is dead. If the animal responds by some movement then the butcher waits for the animal to die. Similarly these infidels are checking the status of the Muslim community, whether it has died completely or still shows some signs of life. They know that we have adopted every aspect of their culture in our social and personal life yet they try to assess whether we have completely forgotten our fundamentals or not.

The love of the Holy Prophet(saws) and our honour as muslims requires that we completely adopt the life of the Holy Prophet(saws). If you want to protest this blasphemy, you must become the real slaves of the Holy Prophet(saws) by changing yourselves inside out. You should eliminate injustice from your society, eliminate bribery, corruption, earn Halal livelihood and care for others as well and try to make worldly advancements more than the infidel nations. Make yourselves so advanced that they may not even consider themselves as your match. May Allah-swt bless us with guidance and the power to act upon it! May Allah-swt forgive our previous sins and may Allah-swt accept our repentance for those sins which we may commit in the future!

acknowledged as a pious man and be served by the people. He expects them to bring presents for him. Outwardly his acts of worship are all acts of piety but on the Day ofJudgement the reality of his actions will be revealed based on the feelings of his heart. It will be revealed that he was not doing it for Allah but for his ownself. So the piety of the "ruh" means that whatever is done should be done with the participation of one's "ruh" and heart and the aim should be the attainment of divine pleasure. For the attainment of divine pleasure it is imperative to have divine Cognition.If the heart is unaware of Allah's magnificienc how can it strive for His pleasure. The superiority of a human being in terms of his spiritual excellence lies in the fact that he has been blessed with the capacity to acquire Divine Cognition. This capacity has been given only to mankind whereby it is defined as the most superior amongst creations. Prophethood has been confessed upon humans, which is the only gateway to divine Cognition. Anyone attaining divine Cognition attains it only through the light of prophet-hood, and through the barakaat of prophethood. It is a great award and favour from Allah if a person is blessed with a heart that is alive with intrinsic light. But not everyone has it.Indeed it is a matter of great fortune to be blessed by this favour and this is the blessing which is always scarcely found. However, as long as this world exists it will always be available, though it will always be rare.

In our times, the meaning of "faiz" and "barakaat" have been altered. People visit the shrines of famous saints, or visit the living saints to get "faiz" from them which in their opinion is some worldly benefit. A friend of mine owned many trucks, he had the name of his transport company written on his trucks. It said "FaizaanHaqBahoo", in other words he belived that it was because of the "faiz" from HaqBahoo (RUA) that he owned so many trucks. If the "faizaan" from saints or"Aulia Allah" were worldly blessings then a non-believer would never have any of them. Why would a person who denies faith, denies the unity of Allah, the prophethood and Allah's Book be enjoying anyworldly blessing? The term "Faiz"does not refer to worldly blessing, but it refers to the light illuminating the heart and the viability of the "ruh". This blessing originates from the noble heart of the Holy Prophet (SAW) which is handed down to the noble companions, to the "Tabaeen", "TabaTabaeen" and from them to the aulia who dissipate it to people. This blessing will always be rare but it will always be there. So all those who are blessed with this Faiz and are availing the auspicious company of a sheikh (spiritual mentor) and are doing zikr they must evaluate their deeds and see whether their souls and their hearts are also behind those deeds. The pursuit of the "ruh" is only one and that is divine pleasure, and the attainment of His nearness. The "ruh" has no other agenda.

The attainment of worldly pleasures is the desire of the physical body. And since the world is physically near and tangible, it stands between man and his hereafter (akhirah) and is visible to the physical eye, it allures man easily. So if he is

TRANLATED QUESTIONS AND ANSWERS

OF HAZRAT AMEER MUHAMMAD AKRAM AWAN

dated:16-6-2012

Q:1. Kindly highlight the difference between the piety of limbsbody and piety of ruh and qalb.

Ans: According to the righteous scholars the word "human being" applies to "ruh" (soul). The physical body is merely a tool through which the "ruh" operates in this world and performs its worldly and religious duties.Once the "ruh" departs from the body, it is then referred to as a corpse, nobody calls it a human being.So the righteous scholars argue that when the word human being is used it refers to "ruh".

Once the nexus of "ruh" and body is established, the body then can experience the physical things around it.It can see; taste and smell and appreciate the beauty of things around it: The world is called "dunya" because it is near, and this world (duniya) becomes a veil between the ruh and hereafter.The center of the "ruh" is "qalb" (heart), and its tool for experiencing worldly pleasures or phenomenon is the body. Be it the beauty, taste, aroma, colours of things or the audio visual effects. Every human being, whether a believer or a non believer avails the faculties of the physical body. But the viability of the ruh depends on the light of faith. If god forbid a person is devoid of this light, such a person is refered to as a corpse by the Quran. Their bodies are serving as graves of their ruh before actually entering the grave. The "ruh" is devoid of faith and the body is carrying it around just as somebody carries a corpse. So the piety of the ruh refers to the sincerity of the heart with which a person participates in the obedience of Allah and His Prophet (SAW). The scholars advise us to perform "salat" (prayer) with utmost attention and also to keep our heart involved in it. It should not be a mere physical exercise. They also suggest a formula for improvement, they advise that, atleast the meanings of the contents of salat must be learnt. So that when a person stands before Allah in "salat" and recites verses of His praise, or "surah Al-Fatiha"etc, he should atleast ponder over the meanings and try to contain his attention within the salat. The piety of the ruh refers to the act in which the "qalb" of the person participates with the body and experinces divine presence. When we speak of worships we refer to the entire human activity and character. The difference is only in their classification as some actions are obligatory, some are sunnah, others superogatory. While some actions are prohibited. When the body acts upon them at times it can be seen that the heart, the mind and the sincerity is not in the action. For instance a person offers a lot of supergatorysalat besides his obligatory salat, recites tasbeeh, does ziker and recites a lot of Quran but inside his heart desires to be

was by Shaikh Sirhindi rua, the second by Shah Wali Ullah rua, which being only literary was unsuccessful; the third one is by this person (Hazrat Ji rua). I admit that the third is no less important than that of Shaikh Sirhindi rua, but it contains Tasawwuf. This movement would have been successful, if there was no Tasawwuf (in it).'

After stating Maulana Maudoodi rua's opinion, Hazrat Ji rua said, "Without Tasawwuf, a religious movement can neither run nor succeed. Anyone is welcome to try it. The only way to achieve sincerity is through Tasawwuf.'

It is stated in Dalael us Sulook that, at the time of the destruction of his people, Hazrat Hud as took his followers and family to Makkah Mukarramah, where he died and is buried under the door of the Holy K'abah. Someone objected to Hazrat Ji rua, contradicting him, saying 'Hazrat Hud as's grave still exists at the same place he was born, and where his people were destroyed and you state that his grave is under the door of Bait Allah.'

Hazrat Ji rua replied,

'I am not speaking for the blind; I speak for those who can see. You are blind and do not even know that the whole Ummah of the Holy Prophet saws agrees that apart from the burial place of the Holy Prophet saws, there are no known graves of any of the previous Prophets. When the Holy Prophet saws was granted his Prophet-hood; when the rays of his saws Prophet-hood shone on this world, then all the previous Revealed Law and Ordinances were abrogated. When the Holy Prophet saws arrived in Barzakh, all the graves of previous prophets were obliterated from there. The actual fact is that here I was speaking about myself, not about you. We have seen hundreds of empty graves with nobody inside; people erect graves, make them into mausoleums, hoist flags on them, start worshiping them and make them a means for their livelihood. Public behaviour is a different issue.'

In November 1976, an English translation of Dalael us Sulook titled 'An Objective Appraisal of the Sublime Sufi Path' was published for the first time, and is now in its third edition under the title of 'Tasawwuf' by Abu Talha. This edition is considered a testimonial on the topic of Sulook in the West. A newly reverted American Muslim, Shakeer Abdur Rahman had some ambiguity regarding the arrangement of Ranks in the Spiritual System. Despite researching various books, his curiosity could not be satisfied, but when he had the opportunity of reading the English translation of Dalael us Sulook all his doubts were cleared. He then started a correspondence with Hazrat Ji rua, but he could only arrive at Dar ul Irfan after Hazrat Ji rua had departed from this world.

(to be continued)

became the means for his salvation.

The first edition of Dalael us Sulook was published in 1964 and it became an important means of propagating the Silsilah. As is evident from its title, Hazrat Ji rua provided proofs from the Quran and Hadees to support this important topic: Sulook. At the same time, the book strongly reflects Hazrat Ji rua absolute conviction about the Reality, which cannot be achieved except by personal spiritual vision and surest belief. As Hazrat Ji rua was richly endowed in both, the effect that the book leaves on a reader, is in itself a proof of its authenticity.

It is a common practice to criticize something that is beyond one's understanding. In this vein somebody involved Hafiz Sahib rua in an annoying correspondence. He would raise all sorts of objections and as soon as Hafiz Sahib rua clarified one, he would raise another. This person was Dars-e Nizami (a religious course) qualified and also a Majaz (Khalifah) of a saint. When he evaluated himself against the standards prescribed by Hazrat Ji rua for an Accomplished Shaikh, in a chapter of Dalael us Sulook, he thought it had been written to belittle him. He adopted a taunting style of questioning; for example, 'You think that possessing Kashf is something special, although Shaitan (the devil) also has Kashf.' When this came to Hazrat Ji rua's notice he told Hafiz Sahib rua, "Why are you wasting your time on him. Today I will dictate a letter to him after which his continuous objections will stop. Write on my behalf:

I shall arrange a Manazara (debate) between us, it will be held in Munara and you can nominate the arbitrator. You are free to ask for assistance from any religious scholar you like, but only you will be allowed to speak. I shall speak in opposition to you, and will not take anybody's help. The topic of the Manazara will be that I shall ask you the meaning of: "La Ilaha ill Allah" (There is no one worthy of worship, except Allah) and then, after your reply, whatever queries I can raise, in accordance with Divine Knowledge, I shall do so. If you can fully explain the meaning of 'La ila ill Allah' I will concede defeat.

After this, a year's correspondence of objections for the sake of objections died its natural death. However one positive result obtained from the correspondence was that the second edition of Dalael us Sulook was expanded considerably and Hazrat Ji rua also included the answers to different objections, to guide anyone also caught in a similar net of mental confusion about Tasawwuf.

Hazrat Ji rua, in one of his recorded cassette mentions that a copy of Dalael us Sulook reached Maulana Abul Ala Maudoodi rua through a Sathi of the Silsilah, Muhammad Asghar Pathan, and he commented, 'I have seen this book. There have been three religious Movements in the subcontinent. The first

Hayat-e-Javidan Chapter 19

A Life Eternal (Translation)

DALAEL US SULOOK

continued From Previous Month

In the morning he found a change in Sayyed Bunyad Husain Shah. It was revealed that Hafiz Sahib rua's habit of doing Zikr had left an impression on him and he wanted to meet his Shaikh, although he had certain doubts also. Sayyed Bunyad Husain Shah went to Chakrala to present himself, but as soon as he saw Hazrat Ji rua he felt a constriction within himself. In the evening, there was a session of Zikr after which Hazrat Ji rua led the Isha prayer. Hafiz Sahib rua advised Shah Sahib to clear up his doubts or ambiguities with Hazrat Ji rua before they left the following morning, but the answer was that he no longer had any. When he had heard Hazrat Ji rua reciting verses from the Holy Quran in the Isha prayer, he was reminded of Maulana Rumi rua and the constriction had left him along with all his doubts. Just as Tawajjuh from Hazrat Ji rua would change the condition of the Qalb, similarly his recitation had the effect to turn hearts around. The change in Bunyad Husain Shah's thinking was caused by Hazrat Ji rua's captivating and soul stirring recitation. When they were taking leave next morning, Hazrat Ji rua told him, "While you were coming to Chakrala, I was given your description by Hazrat Lal Shah rua (Dandah's Shah Sahib) and he asked me to give you special Tawajjuh".

On returning to Jhelum, Sayyed Bunyad Husain Shah started to proof-read Dalael us Sulook along with Hafiz Sahib rua. One day, when the Principal Ashraf Siddiqi saw them proof-reading, he told them that this was more his vocation than theirs and henceforth took over the responsibility. While reading the chapter on 'Offices of the Aulia', he inquired about Hazrat Ji rua's office from Hafiz Sahib rua. When Hafiz Sahib expressed his ignorance, he said, "Should I tell you? He is a Qutb-e Wahdat." When this was told to Hazrat Ji rua, he remarked "He is very intelligent. He read the book and understood it from there".

After Ashraf Siddiqi Sahib became Hazrat Ji rua's devotee, he grew a beard and started fasting and saying his prayers regularly. He set his room aside for the Taraweeh Prayer which was led by Hafiz Sahib rua. This was the first time in his life that he had heard the recitation of the Holy Quran. He died soon after, but the proof-reading of Dalael us Sulook

Rabi US Sani / Jamadi ul Awal 1434h

March 2013

ماہنامہ

المرشد

الله
رسول
محمد

مَثَلُ الَّذِی یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِی لَا یَذْکُرُ رَبَّهٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (الحدیث)

He Who does zikr allah and who does not zikr allah are like the living and the dead.

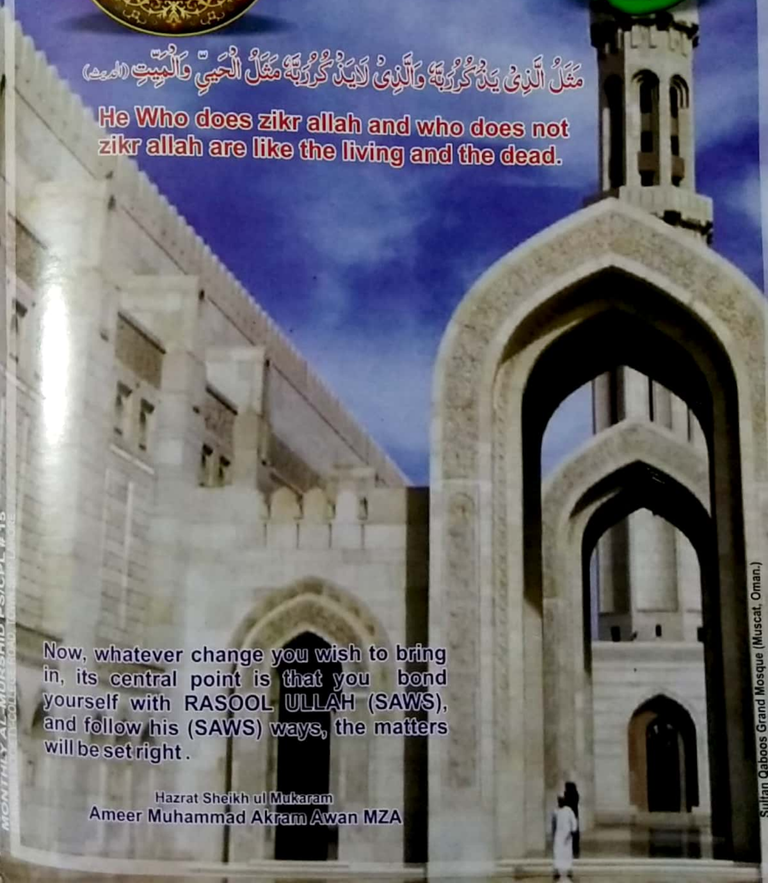

Now, whatever change you wish to bring in, its central point is that you bond yourself with RASOOL ULLAH (SAWS), and follow his (SAWS) ways, the matters will be set right.

Hazrat Sheikh ul Mukaram
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Sultan Qaboos Grand Mosque (Muscat, Oman.)

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے

انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255